تذکرہ

عارف باللہ

حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی

نوراللہ مرقدہ

از

ڈاکٹر محمد طٰہٰ فاروقی

بی۔یو۔ایم۔ایس

ناشر

ڈاکٹر یٰسین لائبریری

الہدیٰ روڈ۔شیخ واڑہ

اناؤ۔یوپی

تذکرہ

عارف باللہ

حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی

نوراللہ مرقدہ

از

ڈاکٹر محمد طٰہٰ فاروقی

بی۔یو۔ایم۔ایس

ناشر

ڈاکٹر یٰسین لائبریری

الہدیٰ روڈ۔شیخ واڑہ

اناؤ۔یوپی

فہرست مضامین

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر

نعت پاک

(مولانا سید صدیق احمد صاحب نوراللہ مرقدہ ثاقبؔ باندوی)

تمنا ہے کہ گلزار مدینہ اب وطن ہوتا
وہاں کے گلشنوں میں کوئی اپنا بھی چمن ہوتا

بسر اب زندگی اپنی دیار قدس میں ہوتی
وہیں جیتا وہیں مرتا وہیں گوروکفن ہوتا

میسر بال وپر ہوتے تومیں اُڑ کے پہنچ جاتا
زہے قسمت کہ اپنا آشیاں ان کا چمن ہوتا

نمازوں میں انہیں کے درپہ میں کرتا جبیں سائی
تلاوت کا ترنم اورجنت کا چمن ہوتا

مقدر سے رسائی ان کے درتک کاش ہوجاتی
متاعِ جاں نثارِ روضۂ شاہ زمن ہوتا

سبھی کچھ ہے مگر وہ ہی نہیں تو کچھ نہیں حاصل
جہاں میں ہوں وہیں اے کاش وہ جلوہ فگن ہوتا

تمنا ہے کہ کٹتی عمر اُن کے آستانے پر
عنایت جلوہ گر ہوتی کرم سایہ فگن ہوتا

خوشا قسمت کہ ہوتا کوچۂ محبوب میں مسکن
انہیں کی راہ میں قربان اپناجان وتن ہوتا

یہی ہے آرزو ثاقبؔ یہی اپنی تمنا ہے
کہ پیوند بقیع پاک اپنا بھی بدن ہوتا

قطب عالم، عارف باللہ مخدومنا حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کے سانحۂ ارتحال پر نکلے ہوئے جذبات

از: علامہ عرفی گنج مرادآبادی

غم یہ نہیں ہے اور اک انساں چلا گیا
غم اس کا ہے کہ غم کا نگہباں چلا گیا

دانائے راز ایک جو اہل جنوں میں تھا
غم تو یہ ہے وہ مرد مسلماں چلا گیا

اک معتبر محدث فرمانِ مصطفےٰ
اک مستند مفسر قرآں چلا گیا

اک شہسوار جادۂ دیوانگیٔ شوق
اک سرفروش عاشقِ یزداں چلا گیا

اک میر کاروانِ محبانِ معرفت
اک رہنمائے منزلِ عرفاں چلا گیا

سینہ تھا جس کا محشرِ کرب وبلائے عشق
وہ رازِ دارِ سوزشِ پنہاں چلا گیا

دے کر ہمیں طلوع سحر کی بشارتیں
وہ آفتابِ صبحِ درخشاں چلا گیا

نظرِ کرم تھی جس کی، علاجِ غمِ حیات
وہ چارہ ساز دردِ غریباں چلا گیا

اب کون ہے بجھائے جو تشنہ لبوں کی پیاس
پیرِ مغانِ بادہ گساراں چلا گیا

باطل کی آندھیوں میں سرِرہ گزار عشق
حق کا چراغ کرکے فروزاں چلا گیا

جو خارزار جہل تھی، اس سرزمین کو
تعلیم کا بناکے، گلستاں چلا گیا

گریہ کناں ہے منصبِ عرفان آگہی
مسند نشیں مجلسِ ایماں چلا گیا

صدیق عصر، اپنے پیمبرؐ کے عشق میں
ان کے ہی زیرِسایۂ داماں چلا گیا

جس کے سبب تھا گلشنِ ملت خزاں سے دور
عرشیؔ وہ روح وجانِ بہاراں چلا گیا

اپنی بات

ایک منفرد درویش

''صحابیؓ گو نہیں لیکن صحابہؓ کا نمونہ تھا''

از۔ڈاکٹر طہٰ فاروقی

غوث وقت، قطب عالم عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی نوراللہ مرقدہ کا تذکرہ بچپن سے ہی گھر میں والد محترم جناب ڈاکٹر محمد یٰسین صاحب فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سنا کرتا تھا۔ حضرت مولانا کا تعلق ہمارے خاندان سے اوائل عمری سے تھا حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ میرے والد محترمؒ کے چچا زاد بھائی امام اہل سنت حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقیؒ سے بہت ہی زیادہ عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ اسی خاندانی نسبت کی بنا حضرت مولاناؒ والد محترم کا بھی بہت زیادہ لحاظ فرماتے تھے۔ اور کبھی کبھی لکھنؤ، کانپور جاتے آتے وقت والد محترم سے ملاقات کیلئے تشریف بھی لاتے تھے۔ اور والد صاحبؒ بھی حد درجہ حضرت مولانا کا اکرام واحترام فرماتے تھے۔

میری پہلی زیارت وملاقات:۔ دسمبر ۱۹۷۵ء کی کسی تاریخ کو رات دس بجے گھر کی کسی نے کنڈی کھٹکٹائی میں نے دروازہ کھولا دیکھا تین چار آدمی تشریف لائے ہیں کانپور کے چمڑہ والے جمیل احمد صاحب نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب ہیں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں جمیل صاحب نے کہا کہ کہہ دیجئے کہ مولانا صدیق احمد صاحب تشریف لائے ہیں یہ سننا تھا کہ میں ایک دم پلٹا اور والد محترم سے کہا کہ ابا مولانا صدیق صاحب تشریف لائے ہیں باہر کھڑے ہیں اتنا سننا تھا کہ والد محترم باہر تشریف لائے سلام ودعا کے بعد بغل گیر ہوئے والد محترم نے باہری کمرہ کھولنے کو کہا اس پر حضرت مولانا فوراً منع

فرمایا کہ ہم رکیں گے نہیں ہمیں ابھی کانپور سے باندہ واپس جانا ہے والد محترم نے بہت چاہا کہ ایک کپ چائے ہی پی لیں مگر ایسا نہ ہوسکا۔ فرمایا کہ میں لکھنؤ سے کانپور جارہا تھا سوچا چند منٹ آپ سے بھی ملاقات کرلوں، یہ کہہ کر واپس تشریف لے گئے حضرت مولاناؒ کے واپس جانے کے بعد والد محترم بہت دیر تک گھر میں حضرت مولانا کا ذکر خیر فرماتے رہے اور آپ کی خصوصیات، دینداری و دیگر اوصاف حمیدہ کے ذکر فرماتے رہے۔ والد محترم فرماتے تھے کہ میں نے کئی مرتبہ عرض کیا کہ حضرت مجھے آپ بیعت فرمالیں اس پر حضرت مولانا نے فرمایا نہیں بالکل نہیں۔ میں آپ کو بیعت نہیں کرسکتا ہاں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ سے بیعت کرادونگا۔ بعد میں والد محترم حضرت شیخ سے بیعت ہوگئے تھے۔

صوفی سید عبدالرب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن ایام میں بسلسلۂ ملازمت اناؤ تشریف لائے اور یہیں سے ریٹائر ہوئے اس کے بعد اناؤ میں ہی مستقل سکونت اختیار فرمالی تھی ان ایام میں بھی مولانا صدیق احمد صاحب باندوی۔ صوفی صاحب سے ملاقات کو تشریف لاتے تھے کبھی کبھی اناؤ ہوتے ہوئے گنج مرادآباد حضرت مولانا فضل الرحمٰن کی مزار پر حاضری دینے تشریف لے جاتے تھے۔

برادر خورد مولوی مدثر فاروقی صاحب جب جامعہ عربیہ ہتھورا میں زیر تعلیم تھے ان ایام میں والد محترم کا آنا جانا رہتا تھا والد محترمؒ کے انتقال کے بعد میرا بھی آنا جانا ہوتا تھا اور حضرت مولاناؒ سے ایک خاص تعلق پیدا ہوگیا تھا۔ اور اس درجہ عقیدت بڑھ گئی تھی کہ ہر ماہ جانے لگا تھا۔ اور حضرت مولانا بھی بڑی شفقت اور محبت سے پیش آتے جو ان کی طبیعت کا خاصہ تھا۔

مدرسہ فتوح الاسلام کی بنیاد اور اسکا قیام

حضرت اقدس قاری سید صدیق احمد صاحب نوراللہ مرقدہ سے عرض کیا کہ ہم لوگ اناؤ میں ایک مدرسہ کھولنا چاہتے تھے حضرت مولانا نے فرمایا فوراً کھولئے میں نے عرض کیا آپ کو ہی اس کی بنیاد رکھنی ہے کوئی تاریخ متعین فرما دیجئے ڈائری دیکھی اور ۷؍ستمبر ۱۹۸۶ء کی تاریخ عنایت فرمادی ہم لوگوں نے اناؤ آکر مدرسہ کی بنیاد کی تیاریاں شروع کردیں 6-9-1986 سنیچر کورات میں حضرت مولانا تشریف لے آئے رات قیام فرماکر صبح بہت سے لوگوں سے ملاقات کی صوفی عبدالرب صاحب کے گھر بھی تشریف لے گئے۔

۷؍ستمبر ۱۹۸۶ء بروز اتوار بعد نماز ظہر مسجد شیخ واڑہ میں ایک جم غفیر کو خطاب فرمایا اس میں مدرسہ کی ضرورت وافادیت کے موضوع پر بیان فرمایا اس مبارک موقع پر کانپور سے تشریف لائے مفتی منظور احمد مظاہری قاضی شہر کانپور ولکھنؤ سے تشریف لائے حضرت حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی ناظم دارالمبلغین لکھنؤ نے بھی عوام سے خطاب فرمایا۔ یہ نورانی محفل حضرت مولانا کی دعا پر اختتام پذیر ہوئی۔ اس کے بعد حضرت مولانا نے مدرسہ کی زمین پر تشریف لاکر مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا اور دعا بھی فرمائی اس دعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ رب

العزت نے مدرسہ کو دن دونی رات چوگنی ایسی ترقی عطا فرمائی کہ لوگوں کو تعجب بھی ہوا اور خوشی بھی ہوئی۔ مدرسہ کی بنیاد پڑنے کے بعد حضرت مولانا مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لاتے تھے اور حضرت مولانا کی برکت سے مدرسہ میں بہت علماء کرام و بزرگان دین تشریف لائے ان بزرگوں میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، محی السنہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ ہردوئی، مفتی محمد واصف عثمانی دیوبند، حضرت مولانا محمد اللہ صاحبؒ، مظاہر علوم سہارنپوری ابن حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ، مولانا عبدالغنی صاحب بلگرامی، مولانا سید سلمان حسنی ندوی، مولانا نوازش علی صاحب فیض آبادی، مفتی منظور احمد صاحب مظاہری قاضی شہر کانپور، قاری عبدالستار صاحب کانپوری، قاری امیر حسن صاحب ہردوئی (خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ)، مولانا معین الدین احمد صاحب شیخ الحدیث مدرسہ امدادیہ مرادآباد، مولانا عبدالعلیم فاروقی لکھنؤ، قاری مظہر علی فاروقی ہتھورا باندہ، مولانا عبدالعلی فاروقی ناظم مدرسہ فاروقیہ کاکوری، مولانا سید حبیب احمد صاحب ابن مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا نے جس طرح مجاہدانہ زندگی گذاری تاریخ میں اس کی مثال کم ملتی ہے حضرت مولانا نے اپنے اخلاق کریمانہ سے پورے ہندوستان کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا اس میں مسلم اور غیر مسلم سبھی لوگ شامل تھے۔ مہمان نوازی میں اپنا ثانی نہیں رکھا۔ بیماری کے عالم میں بھی بیماروں کی مسیحائی فرماتے رہے، کم کھانا، کم سونا، آپ کا تاریخی فیصلہ رہا بے نفسی کا وہ عالم کہ رات کے اندھیرے میں مدرسہ کے اساتذہ وطلبہ کا پاخانہ اٹھا کر کھیت میں لے جا کر خاموشی سے ڈال آتے تھے اور صبح کو اساتذہ اور طلبہ کو بیت الخلاء بالکل صاف ملتا تھا۔ تقویٰ اور طہارت تو آپ کے ساتھ ساتھ سفر کرتی رہتی تھی۔ تصوف میں آپ امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ اللہ نے وہ علم عطا فرمایا کہ بارہ چودہ کتابیں مدرسہ میں خود پڑھاتے تھے۔

حضرت مولاناؒ کے اندر اللہ رب العزت نے بے پناہ خصوصیات بھر دی تھیں جن کا

لہ اس مختصر سے مضمون میں ناممکن ہے اس کے لئے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔
رت مولانا کا کوئی بھی عمل شریعت کے خلاف نہیں ہوتا تھا سنت نبوی سے آپ کو
وست عشق تھا چھوٹی چھوٹی سی سنت بھی آپ ترک نہیں کرتے تھے۔ اپنے آپ کو اللہ کی
ق کے لئے وقف کر دیا تھا مدرسہ ہتھورا میں سیکڑوں آدمی آتے جاتے تھے مگر کوئی شخص
خالی نہیں جاتا تھا۔ آنے والے مہمانوں کا تانتا لگا رہتا سب کی خبر گیری رکھنا، کوئی شخص
کھانا کھائے نہیں جا سکتا اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی قید نہیں ہوتی تھی۔ آنے والے
ان لوگوں کی پوری بات سن کر ان کو دعا تعویذ سے بھی نوازتے تھے اگر بہت ہی زیادہ
تو اس کو کرایہ بھی عنایت کرتے تھے اور اگر کوئی سواری ادھر جاتی ہوئی تھی تو اس پر اس کو
بھی دیتے تھے۔ کئی مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ جب اپنی سواری سے آیا کرو تو گاڑی میں
ی جگہ خالی رکھ کر آیا کرو تاکہ ادھر سے کسی ضرورت مند کو ساتھ لے جا سکو۔ مجھے بھی
رت مولانا سے بے پناہ عقیدت و محبت رہتی تھی۔ میں نے ایک دن عرض کیا کہ حضرت
بھی بیعت کر لیجئے اس پر مسکرائے اور فرمایا اچھا کر لوں گا اس کے بعد کئی مرتبہ عرض کیا ہر
یہی فرماتے اچھا کر لوں گا ایک دن میں ہتھورا میں تھا مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ تم وضو
ہو میں نے کہا نہیں، فرمایا وضو کر کے میرے کمرہ میں آؤ میں فوراً وضو کر کے آپ کے
ہ میں گیا فرمایا کمرہ اندر سے بند کر لو میں نے اندر سے کمرہ بند کر لیا۔ پھر اپنے سامنے
ر میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر مجھے بیعت کر لیا (الحمد للہ)۔
۲۱ رستمبر ۱۹۹۷ء بروز اتوار میری حاضری ہتھورا ہوئی۔ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا کی
ت ٹھیک نہیں ہے مسجد کے حجرہ میں ہی قیام تھا بمشکل تمام خدمت اقدس میں حاضری
پوچھا کیسے آئے میں نے عرض کیا کوئی کام نہیں ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔
محترمہ مع اپنے صاحبزادہ حاضر ہوئی ہیں اور آپ سے بیعت ہونا چاہتی ہیں فرمایا
اس کے بعد فرمایا کھانا کھایا میں نے عرض کیا ابھی نہیں۔ فرمایا کھانا کھا کر آؤ میں گیا

کھا کر پھر حاضر ہوا۔ فرمایا ان محترمہ کو بلاؤ اور اپنے رومال کا ایک کونا دے کر فرمایا کہ
سے کہو اس کو پکڑ لیں پھر چند الفاظ کہتے تھے جن کو میں دہرا رہا تھا جسے سن کر وہ محترمہ
جاتی تھیں اور اس طرح ان کو بیعت کر لیا۔ کچھ دیر رک کر ہم لوگ واپس ہو گئے کیا معلوم
کہ حضرت سے یہ آخری ملاقات تھی۔

۲۸ رستمبر ۱۹۹۷ء بروز جمعرات کو اچانک اطلاع ملی کہ حضرت مولانا صدیق
صاحب کا انتقال ہو گیا۔ یہ خبر بجلی بن کر ذہن و دماغ کو متاثر کر گئی تدفین عشاء بعد
میں ہوئی۔ نماز جنازہ بڑے صاحبزادہ حضرت مولانا سید حبیب احمد صاحب نے پڑھ
جنازہ میں اس قدر لوگ شریک تھے کہ لگتا تھا کہ زمین نے ایک دم انسان اگل دئے ہ
اللہ پاک ہمارے حضرت کی رُواں رُواں کی مغفرت فرما کر ان کے درجات کو بلند فر
اپنی رضا نصیب فرمائے۔ آمین۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

ہوگا کسی فلک پہ وہ خورشید جلوہ گر
سنتے ہیں آفتاب کبھی ڈوبتا نہیں

پیغام

محی السنہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ر صفر المظفر ۱۴۱۹ھ

مداً و مصلاً و مسلماً

ابعد: خواص وعوام دونوں ہی میں حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کی
یت صرف جانی پہچانی ومعروف ہی نہیں بلکہ دونوں ہی حلقوں میں مقبول بھی ہے،
ب بھی ہے، اس ہردلعزیزی پر کسی کو حیرت وتعجب کیوں ہونے لگے، جبکہ قرآن نے
منانہ ومتقیانہ زندگی سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا کی اطلاع دی ہے اور واقعات مسلسل
ی قرآنی وعدہ کی تصدیق کررہے ہیں جو کہ دوسروں کیلئے ایک مستقل درس عبرت ونصیحت
واقعہ یہ ہے کہ اہل اللہ ومصلحین امت کی زندگیاں اوران کے پاکیزہ حالات
قعات یہ قیمتی سرمایہ ہیں کہ جس سے ہر دور میں استفادہ کیا جاتا رہا ہے، خود قرآن پاک
بھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اوران کے صالح ومخلص متبعین کا تذکرہ
ر خاص کیا ہے، تاکہ اس کو انسانیت کی اصلاح وہدایت اور سیرت سازی میں مشعل راہ
جائے، بلاشبہ حضرت مولاناؒ کی یوں تو پوری ہی زندگی اوراس میں پیش آنے والے اتار

چڑھاؤ واحوال وکوائف بھی قابل ذکر ہیں، لیکن حق کی اشاعت وحفاظت اصلاح وتربیت
قرآن پاک ودینی تعلیم کیلئے مکاتب ومدارس کے قیام کا جذبہ وتڑپ اوراس کے
مسلسل شبانہ روز جدوجہد، بیماری وضعف کے باوجود دور وقریب کے دشوار گذار اسفا
سلسلہ یہ ان کی زندگی کے ایسے امتیازی اوصاف ہیں جس میں دینی کام اوراس کی خدم
کرنے والوں کیلئے بہت کچھ رہنمائی ہے آج کے ذہنی وفکری آزادی اور بے دینی
ماحول میں ان کی زندگی کی سرگزشت سے واقف کرانے کی بطور خاص ضرورت ہے، تا
خواص وعوام دونوں اس سے روشنی حاصل کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ اس خصوصی اشاعت کو قبو
فرما کر مفید ونافع بنائے، آمین۔

والسلام۔ ابرارالحق

ایک ربانی عالم اور بزرگ

از۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد رحمۃ اللہ علیہ جس زمانے میں مظاہر علوم میں پڑھتے تھے، پچاس، ساٹھ برس پہلے، یا اس سے زائد مدت ہوگی، میں جب حضرت شیخ الحدیثؒ کی زیارت کیلئے جایا کرتا تھا، یا رائے پور جایا کرتا تھا تو سہارنپور ٹھہرتا ہوا جاتا یا واپسی میں ٹھہرتا تو مظاہر علوم بھی جاتا تھا، اس وقت ہمارے تعلق والے تین عزیز تھے ایک ہمارے عزیز بھانجے مولوی محمد ثانی حسنی مرحوم اور ایک ہمارے یہاں دارالعلوم کے بڑے کارکن بننے والے مولوی محمد مرتضیٰ صاحب مرحوم بستوی، اور ایک مولانا قاری سید صدیق احمد صاحبؒ یہ تینوں اکثر ساتھ ہی ملتے تھے، وضو کر رہے ہیں تو دیکھا تینوں ساتھ ہی وضو کر رہے ہیں، نماز میں کھڑے ہوتے تو تینوں ساتھ ہی میں کھڑے ہوتے، میں مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کے یہاں التزاماً جایا کرتا تھا، ان سے ان تینوں کا روحانی تعلق تھا، انہیں سے وہ مجاز تھے، مظاہر علوم میں ان تینوں سے ساتھ ساتھ ملاقات ہوتی تھی، ان سے اس وقت سے تعارف ہے، اسکے بعد فارغ ہو کر نکلے تو پھر انہوں نے پہلے تو فتح پور کے مدرسہ میں جو مولانا ظہور الاسلام صاحبؒ کا قائم کیا ہوا تھا، مولوی عبدالرحیم فتح پوری اس کے وقت مہتمم تھے وہاں کچھ عرصہ تک پڑھاتے رہے، فتحپور سے ہمارا قریبی تعلق بھی ہے، جوار کا بھی تعلق ہے، وہاں جاتے تھے تو اس مدرسہ میں حاضر ہوتے تھے، وہاں مولانا قاری سید

صدیق احمدؒ سے ملاقات ہوتی تھی ، وہ بہت خصوصیت کیساتھ ملتے تھے پھر اس کے بعد بعض وجوہ کی بناء پر انہوں نے اپنے وطن ہی کو اپنی جدو جہد کا مرکز بنایا اور مدرسہ قائم کیا۔

مدارس جزیرہ بن کر نہیں رہ سکتے : ۔صرف قائم ہی نہیں کیا، بلکہ مدرسہ کے ساتھ انہوں نے عام مسلمانوں اور ملت اسلامیہ کی اصلاح و تربیت اور اس کی دعوت کو اپنا فرض سمجھا، اور یہی مدارس کی حقیقت اور ان کا اصل فریضہ ہے، اور یہی مدارس کے نظام میں شامل ہے کہ مدارس جزیرہ نہیں بن سکتے، جو مدارس جزیرہ بن جاتے ہیں وہ ڈوب جاتے ہیں، مدارس کیلئے ضروری ہے کہ وہ باہر سے اپنا تعلق رکھیں، اور یہ سمجھیں کہ باہر کی فضا اور باہر کا ماحول اگر ٹھیک نہ ہوا تو ان مدارس کا بھی قائم رہنا مشکل ہوگا، کوئی بھی چیز دنیا میں جزیرہ بن کر نہیں رہ سکتی، مدارس بھی ایک جزیرہ بن کر نہیں رہ سکتے، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اثرات کو پھیلائیں اور ایسا ماحول پیدا کر دیں جو ان کے لئے مناسب ہو، مفید ہو۔

حضرت مولانا کی بصیرت اور توفیق الٰھی : ۔حضرت مولاناؒ کی بصیرت و شرح صدر اور توفیق الٰہی کی بات تھی کہ انہوں نے دونوں کام ایک ساتھ شروع کئے، ایک طرف مدرسہ اور دوسری طرف آس پاس کی بستیوں سے اس کے شہروں سے رابطہ قائم کرنا اور بار بار جانا اور دعوت کا کام کرنا، اور دینی جلسوں میں شریک ہونا اور ان کو صحیح عقیدہ اور اصلاحِ نفس کا پیغام دینا اس سے ان کی مصروفیت اتنی بڑھی ان کے مجاہدے اتنے بڑھے کہ بعض مرتبہ مجھے بھی اس تعلق کی بنا پر جو ان کی ذات سے تھا اور ان کا ہمارے خاندان والوں سے تھا اور حضرت سید احمد شہیدؒ سے تو ان کو بڑا تعلق تھا اس بناء پر بھی اور پھر ان کی افادیت اور ان کی زندگی کی قیمت کی بنا پر بھی میں نے بعض مرتبہ یہ پیغام بھیجا کہ آپ اتنا دور دراز کا سفر کرتے ہیں اور جفاکشی کرتے ہیں اور احتیاط نہیں کرتے تو یہ مناسب نہیں۔

مولاناؒ مغلوب الحال اور مجذوب صفت تھے : ۔ ان کا یہ حال تھا اور وہ اس بارے میں مجذوب الفکر تھے، مجذوب الحال تھے، وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ ان کو کیسا

تعب ہوگا، اوران کی صحت پر کیااثر پڑے گا، پھران کی صحت پر اثر پڑا حقیقت میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ علمائے ربانیین میں تھے۔" ولکن کونو ربانیین کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے دین کی تعلیم کا بھی کام لیا اور دین کی اشاعت کا بھی اور اصلاح کا بھی اور شریعت پر اور سنت پر عمل کرنے کا بھی۔ رسوم وبدعات جو مسلمانوں کی زندگیوں میں شامل ہوگئی ہیں اس کے خلاف تقریر کرنا، لوگوں کو متوجہ کرنا، بڑے انہماک اور تندہی بلکہ ایک طرح سے مدہوشی کے ساتھ اپنی صحت کی طرف سے آنکھیں بند کرکے ان سب سے بے پرواہ ہوکر، عبادت سمجھ کر یہ کام کرتے تھے اور جو چیز ان کی امتیازی ہے وہ ایمان واحتساب ہے اور یہی ربانیین کیلئے ضروری ہے کہ جو کام بھی کیا جائے اللہ کی رضا کیلئے کیا جائے۔ اللہ کی قدرت اور استعانت پر یقین کرتے ہوئے بھی اور پھر اجروثواب کی لالچ سے کیا جائے یہ بات اس وقت ادنیٰ تنقیص کے بغیر تنقیص تو بڑی چیز ہے ادنیٰ تنقید کے بغیر میں کہتا ہوں کہ کوئی مقابلہ نہیں ہے، علماء میں میں مقابلہ نہیں کرتا، سب اپنی جگہ قابل احترام ہیں الحمدللہ ابھی بھی کچھ ہستیاں دنیا میں موجود ہیں اور جو اللہ کے یہاں چلے گئے اللہ ان کے درجے بلند کرے، لیکن بہر حال اپنے مطالعہ وواقفیت کا مسئلہ ہے کہ ہم نے اپنے مطالعہ وواقفیت کے حدود میں مولاناؒ کو جس درجہ کا مخلص جس درجہ کا فکر مند، جس درجہ کا سر فروش کہنا چاہئے اور اپنی زندگی وصحت کو خطرہ میں ڈالنے والا دیکھا ہے ویسا بہت کم دیکھا ہے۔

ان کی تدفین پر جس طریقہ سے یہاں مسلمانوں نے صرف ان کے وطن کے نہیں بلکہ دور دور کے مسلمانوں نے اس تعلق کا اظہار کیا یہ بہت کم دیکھنے میں آیا ہے ہزاروں ہزار کا مجمع تھا ہمارے یہاں سے الحمدللہ ہمارے عزیز مولانا سید رابع حسنی ندوی مہتمم دارالعلوم اور ان کے بھائی سید واضح رشید ندوی یہ لوگ بھی گئے اور یہاں آکر بیان کیا کہ کئی کلومیٹر تک سواریاں کھڑی تھیں، بسیں بھی تھیں اور موٹریں بھی تھیں اور ان کو پیدل چلنا پڑا اور پھر اس کے بعد وہاں ہزاروں کا مجمع تھا۔ اللہ پاک قاری صدیق احمد صاحبؒ کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے (آمین)۔

میرے والد ماجد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

از۔ حضرت مولانا سید حبیب احمد ناظم جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ

باسمہ تعالیٰ

والد صاحب علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد ہندوستان کے بیشتر رسائل نے آپ پر مضامین شائع کئے اور بہت سے خصوصی صدیق نمبر بھی نکالے گئے، جن میں آپ کی پاکیزہ زندگی کے حالات وواقعات اوران کی دینی خدمات کوامت تک پہنچانے کا فیصلہ کیا گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام حضرات کواجرعظیم عطا فرمائے، جنہوں نے اس قیمتی سرمایہ کولوگوں تک پہنچایا، کیونکہ اللہ والوں کی پاکیزہ زندگی قوم کی امانت ہے، یہ حقیقت ہے کہ حضرتؒ کی ذات بابرکات مجموعۂ صفات وکمالات تھی، وہ ایک درویش خدامست بزرگ تھے جن کے اخلاص وایثار، توکل وتبسل نے طوفانِ باطل کارخ موڑ دیا۔ اوراس خطہ سرزمین کو جہاں کفروارتداد، ظلم واستبداد وحشت وبربریت کے مہیب بادل چھائے ہوئے تھے اپنی فراستِ ایمانی وحمیت دینی کے ذریعہ نورولایت سے منور کردیا اوراس سخت بنجرزمین کواپنے علم وعرفان سے سیراب کرکے زرخیز بنادیا، آپ کی پوری زندگی ابتلاء وآزمائش میں گذری، ہرکام میں رضاء الٰہی اوراتباع رسول کومدنظر رکھا، اپنی ذات سے مخلوق کونفع رسانی کا جذبہ ہمہ وقت رہتا جیسا کہ اس کتاب ہٰذا کے مضامین سے قارئین حضرات کومعلوم ہوجائے گا، غرض کہ حضرتؒ کواللہ تعالیٰ نے تمام خوبیوں کا جامع بنایا تھا اور بڑی محبوبیت عطا فرمائی تھی، یہی وجہ ہے کہ اب جبکہ انتقال کوکئی سال کا عرصہ ہورہاہے، لیکن حضرتؒ کی زندگی کے مختلف گوشوں پر مضامین کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ اورآگے بھی انشاء اللہ جاری رہے گا۔ بس اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ حضرت والد ماجدؒ کی تمام حسنات کوقبول فرماکر اپنی رحمت سے نوازدے اورہم سبھی کوان کے نقش قدم پرچلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

نذرِ عقیدت

ضیاءالرحمٰن ضیا نعمانی

وہ کون ہے کہ دل کی تمنا کہیں جسے
خاتم پہ قیمتی سا نگینہ کہیں جسے

ڈھونڈو مزار اسکا ہتھورا شریف میں
صدیق وقت عشق کا دریا کہیں جسے

سادات کا لہو تھا رگ و پے میں موجزن
نور نگاہ فاطمہ زہراؓ کہیں جسے

بابائے قوم، سید ملت، شہید ملک
سادات کی نگاہ کا تارا کہیں جسے

اورنگ زیب عقل جہانگیر علم و فن
آئینۂ سکندر و دارا کہیں جسے

ہر اس جگہ پر علم کا جادو جگا دیا
جہل جنوں کا کمرو **کمچیا** کہیں جسے

اللہ رے وہ پھونک مسیحائی یاد آئے
ایسی زباں کہ شہد مصطفیٰ کہیں جسے

تقریر وہ تمام دل و جاں ہو باغ باغ
تحریر وہ کہ سارے ہی عمدہ کہیں جسے

خدمت کے جذبہائے فراواں نہ پوچھئے
وہ لطف وہ کرم تھا کہ دریا کہیں جسے

پانی پہ چل رہا تھا مگر ڈوبتا نہ تھا
دنیا میں رہ کے تارک دنیا کہیں جسے

ایسے ہیں کتنے پیر بتائے مجھے کوئی
اپنے ہوں کہ غیر سب اچھا کہیں جسے

تقدیس اہل سنت حقہ کا پاسباں
احناف اپنے شہر کا قلعہ کہیں جسے

علم وعمل میں وارث سالار انبیاء　　جلوہ نما سیرت آقا کہیں جسے

اسلاف کی ولایت صالح کا رنگ وسوخ　　ایسا کہ وقتِ نو کا تقاضہ کہیں جسے

صد گرمئ جہاد لئے نرم نرم سا　　ہم ریشمی رومال کا طغریٰ کہیں جسے

الحاج شاہ حضرت اسعدؔ کے فیض سے　　ترشا ہوا کمال کا ہیرا کہیں جسے

اسعد کی خانقاہ کا پیر مغان خاص　　میخانہ حیات کا مینا کہیں جسے

اپنے بھی پی رہے تھے تو اغیار بھی تھے سیر　　آب حیات ہند کی گنگا کہیں جسے

ہر ایک بیک زباں یہی کہہ رہا ہے آج　　ایسا کہاں ہے کوئی کہ ایسا کہیں جسے

اشرف علی واسعد وصدیق باکمال　　خورشید وماہتاب ثریا کہیں جسے

مدحت سے اس کی اپنا تعارف ہے، ورنہ یہ　　سورج کو ایک چراغ دکھانا کہیں جسے

تعویذ وہ کہ جس سے مسخر ہو کائنات　　وہ پھونک تھی کہ سب کا مداوا کہیں جسے

حضرت کے جانشیں حبیب کریم ہیں　　گویا کہ راز خاص کا افشاء کہیں جسے

کیونکر نہ جاں نثار کریں اس پہ اےؔ ضیاء
شیدائے شاہ گنبد خضریٰ کہیں جسے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ

از: مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

معروف عالم دین اور ربانی بزرگ مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کی وفات ۲۳/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۸/اگست ۱۹۹۷ء میں ہوئی، برصغیر ہندو پاک کے بڑے عالم دین اور مرشد دینی کی شخصیت کے حامل تھے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ۷۳/سال کی عمر پائی جوانہوں نے دین وعلم دین کی خدمت میں نہایت تندہی اور زہد واخلاص کے ساتھ گذاری، اسی کے ساتھ ساتھ مخلوق خدا کے دکھ درد کا خیال کرنے اور اپنے علم وتقویٰ کے ذریعہ ان کی مدد کرنے کو اپنا وطیرہ بنایا، وہ ایک طرف حدیث شریف ودیگر علوم کا درس دیتے تھے، دوسری طرف وعظ ونصیحت واصلاح دینی کے جلسوں اور پروگراموں میں شرکت کرکے اپنے خطاب سے فائدہ پہنچاتے تھے تیسری طرف قرآن مجید اور دعا واذکار لکھ کر مخلوق خدا کی مدد کرتے تھے، انہوں نے ایک طرف علوم دینیہ کی تعلیم کے میدان میں نمایاں مقام حاصل کیا اس سلسلے میں انہوں نے ایک بڑی درس گاہ کی بنیاد ڈالی، جو ان کی فکر ومحنت کا نتیجہ تھی ان کی توجہ وفکر مندی سے اس درس گاہ نے ان کی زندگی میں ہی بڑی

ترقی حاصل کی اور علوم دینیہ کے استفادہ کا ایک بڑا مرکز بنی ، بالکل ایک دیہات میں جہاں تمدن کی کوئی سہولت اور ذریعہ نہ ہو ایک بڑی درسگاہ قائم کر دینا ایک بڑا کارنامہ ہے جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیا۔

اس درسگاہ میں جو مولانا کے وطن ہتھورا ضلع باندہ میں واقع ہے حفظ قرآن وتجوید وتلاوت کی خصوصی تعلیم کا بندوبست ہے، اس میں مولانا رحمۃ اللہ خود بھی بڑی توجہ سے حدیث شریف اور دیگر اسباق پڑھاتے تھے اور باوجود اپنے کثیر اسفار کے اپنے اسباق کو پورا کرتے اور ان کا حق ادا کرتے تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ترقی کے لئے جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں تعلیم کے دوران ہی وہاں کے مقتدر استاد وعالم ربانی مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب سہارنپوریؒ خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے تعلق قائم کیا تھا پھر اس میں ترقی کر کے خلافت سے سرفراز ہوئے ان کی دینداری، تقویٰ اور زندگی کی کم سے کم مادی سہولتوں پر قناعت کو دیکھتے ہوئے ہر شخص ہی ان کو اللہ والے اور ربانی بزرگ سمجھتا تھا، خواص علماء ومشائخ بھی ان کو محبت وقدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور عامۃ المسلمین میں جس کو ان سے واسطہ پڑتا ان کا معتقد ہو جاتا، ان کی طرف عوام کا بڑا رجوع تھا جس کا ایک اظہار ان کے جنازے میں ہزاروں ہزار آدمیوں کا سفر کی مشقت برداشت کر کے پہنچنے سے ہوا۔

مولانا رحمۃ اللہ نے عامۃ المسلمین کے دکھ درد میں مدد وتعاون کی یہ شکل کہ ان کے بیماروں، پریشاں حال لوگوں کو قرآن وحدیث پر مبنی تعویذ دئے جائیں خاص طور پر اپنائی تھی اس کی وجہ سے ان پر اس ضرورت کے لوگوں کا بڑا ہجوم ہوتا تھا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس تعاون کی بنیاد پر ان کو نیکی کی تلقین بھی کرتے اور ان کی صلاح واصلاح کا ذریعہ بنتے، اس طریقہ سے ایک تعداد کی دینی اصلاح کا ذریعہ بنے، اور متعدد لوگوں کی زندگیاں برائی سے نیکی کی طرف پوری طرح پلٹ گئیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نرم خو، متواضع، منکسر المزاج اور ہمہ وقت دینداری وعلم دین میں مشغول رہنے والے شخص تھے اپنے زمانہ کے تمام بزرگوں سے ربط رکھتے تھے اور ان کی قدر و قیمت کے مستحق بنتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی جو اہم خصوصیات تھی جو اس زمانہ میں کم لوگوں میں ہوتی ہے وہ باوجود علم وفضل ودینداری کے منکسر المزاجی اور سادہ وزاہدانہ زندگی پر قناعت تھی۔ نام ونمود سے دور تھے، ہر ایک کی ہمدردی وخیر خواہی ان کا شعار تھا، اور ہر وقت اس کے لئے تیار رہتے تھے۔ اپنی ان خصوصیات کی بنا پر ساری زندگی سفروں کی مشقت اور نجی زندگی میں ایسے مجاہدہ میں گذاری جس سے اسلاف قدیم کے مجاہدوں کا نمونہ معلوم ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب ؒ کو اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے اور ان کی برکات کو قائم ودائم رکھے۔ آمین۔

☆☆☆

باسمہ تعالیٰ

حضرت مولانا صدیق احمد باندویؒ سانحۂ ارتحال

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی

بانی وسرپرست جامعہ اسلامیہ مظفرپور اعظم گڑھ، یوپی

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

دلوں میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ کی یاد تازہ تھی کہ ۲۸/۸/۹۷ء کو اچانک حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندی نوراللہ مرقدہ کے سانحۂ ارتحال نے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا ان کی وفات ناگہانی حادثہ بن کر سامنے آئی جس کا پہلے سے کوئی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، ۲۷/۸/۹۷ء کو حضرت والا کی خیر وعافیت فون سے معلوم کی، بتایا گیا کہ حضرت لکھنؤ اسپتال سے بخیریت باندہ تشریف لے گئے، ان کی خدمت میں حاضری کی تیاری کررہا تھا کہ ۲۸/اگست کو حادثہ کی خبر فون سے دی گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی ذات گرامی ہزار پریشاں حال قلوب کیلئے ملجاو ماویٰ تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی محبوبیت ومقبولیت عطا فرمائی تھی کہ مخلوق خدا جہاں تشریف لے جاتے ان پر پروانہ وار کرتی اور ان کی زیارت وملاقات سے دلوں کو قوت اور آنکھوں کو روشنی نصیب ہوتی۔

وہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے فارغ تھے اور حضرت اقدس مولانا اسعداللہ صاحب نوراللہ مرقدہ خلیفۂ اجل حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ان کو اجازت وخلافت عنایت فرمائی تھی، مظاہر علوم سے فراغت کے بعد بزرگوں کے مشورہ سے اپنے وطن ہتھورا باندہ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں مدرسہ کا آغاز کیا اور قرب وجوار کے لوگ جو جہالت وضلالت میں غرق تھے اس علاقہ میں تبلیغ ودعوت کا کام شروع کیا، ظاہری وسائل بالکل مفقود تھے مسجد سے باہر اپنے ہاتھوں بلکہ مٹی کا ایک کمرہ مدرسہ کے لئے تعمیر کیا وہ آگے چل کر ایک

بہت بڑا مدرسہ بلکہ دارالعلوم بن گیا، آج وہاں دورۂ حدیث کی تعلیم ہوتی ہے طلبہ کی تربیت میں یہ ادارہ پورے ملک میں شہرت رکھتا ہے، قرب وجوار جہاں لوگ اسلام کے اہم ارکان تک سے ناواقف تھے، وہاں سیکڑوں حفاظ وفضلاء تیار ہوگئے اور گاؤں گاؤں مکاتیب کا ایک طویل سلسلہ قائم ہوگیا اور دنیا کے سامنے یہ ثابت کردیا جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

نہ ملک ومال میں نہ لشکر وسپاہ میں ہے
جو چیز مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

وہ اپنے استغناء وتوکل، زہد وقناعت میں سلف صالحین کی چلتی پھرتی مثال تھے اس سے بزرگان دین اولیاء عظام وصوفیاء کرام کے بارے میں جو کچھ کتابوں میں لکھا گیا ہے اور جو کچھ سنا جاتا ہے، اس کا زندہ نمونہ بن کر انہوں نے دنیا کو دکھایا کہ سلف صالحین کے راستہ پر اس دور میں چلنا ممکن ہے، حضرت مولانا نوراللہ مرقدہ کے بارے میں بھی متعلقین اور اہل تعلق کو معلوم ہے کہ کسی باثروت وصاحب مال کا اس کے مال کی بنا پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا، مال ودولت کی ان کی نظر میں کوئی حقیقت نہیں تھی وہ بالکل اس شعر کے مصداق تھے جو حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی نوراللہ مرقدہ نے فرمایا ہے ؎

تعلق سے غنی کے ہوگیا غیروں سے مستغنی
پسند آئے نہ کیوں مجھ کو میرا مغرور ہو جانا

اس دور اخیر میں حضرت والا کا فیض ہندوستان سے ماہر لندن وافریقہ وغیرہ ممالک میں پہنچ رہا تھا گذشتہ ماہ جنوبی افریقہ کا سفر ہوا، اس میں حضرت مولانا کی ترغیب وتاکید ہی اصل سبب تھی وہاں سیکڑوں علماء وخواص کو پایا جو حضرت والا سے تعلق ومحبت رکھتے تھے، معلوم ہوا کہ آخری سفر جو حضرت مولانا نے افریقہ میں جو اپنے استاذ حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ کے سانحۂ وفات پر تعزیت کے لئے کیا تھا، صرف ایک ہفتہ وہاں قیام رہا، حضرت مولانا کے گہرے نقوش واثرات کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، خیال تھا کہ ملاقات پر سفر کی تفصیل سناؤں گا ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

حضرت مولانا سے اس ناچیز کا تعلق اپنی طالب علمی کے زمانہ سے تھا، ان کے شیخ ومرشد
حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اس ناچیز کے اساتذہ میں سے تھے مظاہر
علوم کے قیام کے زمانے میں حضرت والا کی مجلس میں حضرت مولانا سے ملاقات ہو جاتی تھی
اس تعلق کی بنا پر ہی ندوۃ العلماء کی تدریسی خدمت جو ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۷ء تک تھی کبھی ایسا بھی
ہوا کہ حضرت مولانا میرے کمرے میں تشریف لائے، بعض قیمتی مسودات جو حضرت اقدس شیخ
الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کے تھے، اس کو اپنے ساتھ لے گئے
اور نقل فرما کر اصل واپس بھجوا دیا، یہاں اس کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت شیخ کے یہاں
مدت تک قیام اور بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد جس سے حواشی کی ترتیب وتصحیح طباعت کا کام
اصلاً حضرت شیخ نے اس ناچیز کے سپرد فرمایا تھا اس لئے بہت قیمتی حدیث پاک پر تحقیقات
جواب تک بھی محفوظ ہیں ان کی نقل اس ناچیز کے پاس موجود ہے۔ حضرت مولانا باندویؒ سے
ادھر چند سالوں میں اس ناچیز کے تعلقات بہت ہی گہرے ہو گئے تھے، متعدد بار حضرت مولانا
میری عدم موجودگی میں اعظم گڑھ ہمارے گھر اور جامعہ اسلامیہ میں تشریف لائے، کئی مرتبہ ابو
ظبہی کی دعوت بھی دی اور یہ کہ وہاں سے عمرہ کرنا آسان رہے گا مگر مسکرا کر سکوت فرمایا۔

۱۹۸۸ء میں "العین" کے پتہ پر حضرت مولانا کا ایک مکتوب گرامی ملا جس میں تین
باتیں تحریر فرمائی تھیں۔

(۱) آپ کی ضرورت ہندوستان میں ہے (۲) اس لئے معاشی مسئلہ کے لئے
یہاں کچھ کرلیں، ملازمت کا اعتبار نہیں ہے (اپنی نگرانی میں ایک بڑا مدرسہ قائم کریں۔

خط کا جواب دیا اور فون پر اس ناچیز نے عرض کیا کہ حضرت جہاں پہلی بات کا تعلق
ہے میں جو خدمت یہاں رہ کر کر رہا ہوں بالخصوص حدیث پاک وہ ہندوستان میں مشکل
ہے اس لئے دعا فرمائیں کہ یہاں قیام کی ہر سہولت پیدا ہوتی رہے الحمد للہ ہندوستان میں
ظاہری انتظام اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے، البتہ مدرسہ کے لئے غور کروں گا، اس کے چند روز
کے بعد ایسی غیبی صورت پیدا ہوئی کہ مجھے بار بار حضرت مولانا کے خط کا مضمون یاد آتا رہتا

ہے وہ ''تعمیر حیات'' کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ حضرت مولانا نے اس ناچیز سے ایک مرتبہ فرمایا مجھے اتنی جلدی تعمیر و آبادی کی پورے ملک میں مثال نظر نہیں آتی، اللہ تعالیٰ ہر طرح کے شرور وفتن سے اس کی حفاظت فرمائے، آمین۔

ابھی چند ماہ پیشتر اچانک بنارس سے مئو جاتے ہوئے اس ناچیز کی غیر موجودگی میں جامعہ اسلامیہ مظفر پور تشریف لائے اور وضو فرما کر دفتر میں بیٹھ کر دعا فرمائی اور یہ شعر مہتمم صاحب سے کہا کہ مولانا کو فون پر سنا دینا اور وہاں سے سفر کے لئے روانہ ہو گئے۔

ومن عادتی حب الدیارِ لاھلھا
وللنَّاس فیما یعشقون مذاھب

ان کے مستجاب الدعوات ہونے کی کئی مثالیں اس ناچیز کے سامنے بھی ہیں اس مختصر مضمون میں اس کا ذکر نہیں کیا جا سکتا، حضرت مولانا کے شیخ حضرت مولانا اسعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اس ناچیز سے بیان فرمایا کہ میں بیمار تھا اور مولوی صدیق عیادت کے لئے آئے ان سے میں نے کہا کہ کچھ پڑھ کر دم کرو، وہ جس طرف پڑھ کر دم کرتے مجھ کو آرام ہو جاتا تھا یہ خود ان کے شیخ کی شہادت ہے، حضرت مولانا کی زندگی کے واقعات تو بکثرت معلوم ہیں جو بعد میں شائع ہوں گے، اس وقت مقصود یہ ہے کہ ان کی ذات گرامی سے جو خلاء پیدا ہو گیا ہے، اس کا پر ہونا مشکل ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے مدرسہ اور ان کے جملہ کاموں کی حفاظت فرمائے، ان کے نقش قدم پر چلنے کی سعادت نصیب فرمائے، ان شاء اللہ ان کے کارنامے ہمیشہ باقی رہیں گے۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

☆☆☆

صدق وصفا کا پیکر

جسے ہم بھلا نہ پائیں

از: مولانا غلام محمد وستانوی
بانی ورئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم
اکل کواں ضلع نندربار، مہاراشٹر

الحمدلله رب العالمین ، والصلوة والسلام علی سید المرسلین ، وعلیٰ آله واصحابه اجمعین الی یوم الدین، أما بعد: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "اذکرو محاسن موتاکم وکفواعن مساویهم".

(ابو داؤد : ص/ ۶۷۱)

مقام مسرت ہے کہ ہمارے دوست ''ڈاکٹر محمد طٰہٰ فاروقی'' ۔صدیق زماں ، میرے پیرومرشد حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلقہ مختلف علماء کرام اور اہل قلم کے ذاتی افکاروخیالات کو یکجا کرنے کی سعی مشکور میں ہیں اوراسی نسبت سے آپ نے اس حقیر وفقیر کو بھی حضرت سے متعلق کچھ لکھنے کی دعوت دی، ہر چند کہ نہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کسی تعارف کے محتاج ہیں، اور نہ ہی بندے کا یہ میدان، تاہم موصوف کی مخلصانہ گذارش پر چند سطور پیش خدمت ہیں۔

حضرت مولانا قاری سید صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سنہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں ہوئی اور ۲۳/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۸/اگست ۱۹۹۷ء بروز جمعرات، صبح دس بجکر دس منٹ پر آپ نے اس دارِفانی سے دارِباقی کی طرف رحلت فرمائی۔

آپ کا آبائی وطن یوپی (ضلع باندہ) کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہتھورا ہے، بچپن میں ہی والدِ محترم کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا، والدہ اور ماموں نے آپ کی تربیت فرمائی، ابتدائی

تعلیم گاؤں میں حضرت مولانا سید امین الدین ہتھوڑوی سے حاصل کی، بعد ازاں پانی پت (پنجاب) جا کر مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ سے تجوید قرآن کی تعلیم مکمل کی، اس کے بعد مادر علمی مظاہر علوم سہارنپور کا قصد کیا اور اس زمانے کی آفتاب وماہتاب ہستیوں "حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب (رامپوری)، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب (سہارنپوری)، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب (کاندھلوی) اور مفتی اعظم حضرت مولانا محمود الحسن صاحب (گنگوہی) رحمہم اللہ وغیرہ سے خوب مستفید ہوئے۔

یہاں سے فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ فرقانیہ گونڈہ یوپی بعدہ فتح پور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ فتح پور کے قیام کے دوران جب آپ کو معلوم ہوا کہ خود آپ کے وطن میں ارتداد کی فضا عام ہورہی ہے، تو آپ اس سے بے چین ہوئے اور فتح پور کی تدریس چھوڑ کر ہتھوڑا تشریف لے آئے، یہاں مستقل قیام فرما کر اطراف واکناف میں خوب تبلیغی دورے فرمائے اور لوگوں کو عذاب ارتداد سے بچانے میں رات دن ایک کردی، جس کا اثر یہ ہوا کہ لوگ دوبارہ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اسی درمیان آپ نے تعلیمات اسلامیہ کو عام کرنے اور لوگوں کو نہ صرف اس سے متعارف کرانے، بلکہ ان پر عمل پیرا کرانے کی غرض سے ایک مکتب کی بنیاد رکھی جو آج "جامعہ عربیہ" کی شکل میں نہ صرف ایک عظیم دینی ادارہ ہے، بلکہ مستقل ایک تحریک ہے، وہی تحریک جسے حضرت خود اپنی عملی زندگی کے ذریعہ، زندگی بھر لوگوں کو سمجھاتے رہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی اللہ رب العزت کے اس فرمان (**کونوا ربّانیّین**). (**انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء**) اور آپ کے ارشاد "**العلماء ورثۃ الانبیاء**" کا عملی نمونہ تھی، آپ نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اپنا آئیڈیل بنایا تھا، جسے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ان الفاظ میں بیان فرماتی ہیں: "**انک لتصل الرحِم، وتحمل الکلَّ، وتکسب المعدوم، وتقری الضیف، وتعین علی نوائب**

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اس ناچیز اور اس کے خانوادے پر جو شفقتیں اور کرم فرمائیاں رہیں، وہ لاتعداد ولاتحصی ہیں، آپ ہمیشہ جامعہ اور اس کی شاخوں کی تعلیمی وتعمیری سرگرمیوں کو معلوم کرتے، خوش ہوتے، دعائیں دیتے اور اپنے قیمتی وگرانقدر ہدایات سے نوازتے جب بھی کوئی دینی اجلاس وتقریب ہوتی اور آپ کو دعوت دی جاتی تو کبھی منع نہ کرتے، بلکہ اپنی پیرانہ سالی، ضعف ونقاہت، تعلیمی، تربیتی اور تنظیمی مشغولیتوں کے باوجود ضرور تشریف لاتے اور آپ کی آمد سے پورے خطے کو بڑا دینی فائدہ پہنچتا۔ (**فجزاہ اللہ خیر الجزاء**)

خلاصۂ تحریر یہ کہ حضرت والا...... **گوناگوں صفات سے متصف تھے**، آپ بیک وقت مدرس بھی تھے، مصنف بھی تھے، منتظم بھی تھے، مرشد ومصلح بھی تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہر کسی کے ہمدرد وغم خوار تھے، بلاتفریق مذہب وملت اپنے اور پرائے ہر کسی کی سلامتی کے خواہاں تھے، سچ فرمایا آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے: ”تموتون کما تحیون“ کہ تمہاری موت اُسی حالت میں آئے گی جس حالت میں تم زندگی گذارتے ہو، اسی لئے آپ اسی وصفِ خاص کے ساتھ اس جہان فانی سے رخصت بھی ہوئے کہ جب حضرت والا کو ان کی زندگی کے آخری لحات میں علاج کیلئے لکھنؤ لے جانے کے لئے گاڑی پر لٹایا جانے لگا اس وقت حضرت کا چہرۂ مبارک باہری کی جانب تھا، فرمایا:

”سب سے میرا سلام کہنا اور مدرسہ کا خیال رکھنا“

دعا کرتا ہوں کہ ڈاکٹر طہٰ صاحب جس فکر میں ہیں، اللہ پاک انہیں اس میں بھرپور کامیابی سے ہمکنار فرمائیں اور حضرت سے متعلق شائع ہونے والے ”علماء کرام کے افکار وخیالات“ امت کے لئے ایمان میں تازگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے محبت و وابستگی اور گم گشتۂ راہ انسانوں کیلئے راہ راست پر آنے کا سبب وذریعہ بنے۔ **واللہ یدعو الی دار السلام ویھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔**

☆☆☆

حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ

از: مولانا عبدالعلیم فاروقی، دارالمبلغین، لکھنؤ

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ ان باکمال اور بافیض انسانوں میں سے تھے جن کی ذات سے لوگوں نے بھرپور فائدہ اُٹھایا اور فیض وکرم کا یہ بادل برابر ہر ایک پر برستا رہا، علم وعمل کے اس دریائے رواں نے نہ معلوم کتنے خشک اور بنجر زمینوں کو سیراب کردیا، عقیدت ومحبت کی گردنیں ان کے لئے جھکتی رہیں اور ایک درویش، بوریہ نشیں کے در پر شاہوں اور شہزادوں کا تانتا رہا۔

حضرت قاری صاحب ایک متوسط اور کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جو اپنی شرافت اور مروت داری کی وجہ سے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، ضلع باندہ کا یہ علاقہ ہتھورا جو قاری صاحب کا وطن اور مسکن تھا انتہائی پسماندہ اور تعلیم سے بیگانہ تھا، اس لئے قاری صاحب نے ابتدائی تعلیم کے بعد مظاہر علوم سہارنپور کا رخ کیا اور وہاں علم وعمل کی قابل قدر اور عظیم المرتبت شخصیات سے اکتساب فرمایا بالخصوص ہمارے پیر ومرشد اور مشفق ومہربان استاد حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ سے علم کے ساتھ ساتھ سلوک ومعرفت کی وادی بھی طے فرمائی اور بیعت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ بعض حالات کے پیش نظر مظاہر علوم سے علمی سلسلہ منقطع ہوگیا اور مدرسہ امینیہ دہلی سے سند فراغت حاصل کی۔

حضرت قاری صاحب کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے صلاحیت واستعداد کی بے پناہ دولت رکھی تھی، ٹھوس علمی استعداد کے ساتھ قومی ہمدردی کا بیکراں جذبہ، انسانیت کی خدمت کا بھرپور حوصلہ پایا جاتا تھا جس نے آپ کو زندگی بھر بے چین اور مضطرب رکھا، اسی لئے ضلع اور اس کے اطراف میں جب لادینیت اور الحاد کا فتنہ محسوس کیا تو پوری تندہی اور بے تابی کے ساتھ اس فتنہ کے مقابلہ کے لئے اپنے آپ کو لگادیا اور مسلمانوں کے

عقائد و اعمال کی حفاظت کے لئے جامعہ عربیہ ہتھورا کی بنیاد ڈالی جو علم کی ترویج، فکرِ اسلامی کی اشاعت احیائے سنت کا عظیم الشان مرکز بن کر ابھرا اور آج ہزاروں تشنگانِ علوم کو اپنے دامن میں سمیٹے سیراب کر رہا ہے۔

مضبوط علمی استعداد کی بنا پر آپ نے درسی وغیر درسی متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائیں، فن منطق، علم کلام اور نحو میں درسی کتابوں کی تصنیفات آپ کی علمی یادگاریں ہیں اور طلباء میں کافی مشہور اور متداول ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے لئے عوام وخواص کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دیتا ہے اور مخلوق کے دل ان کی طرف کھینچنے لگتے وہ جھوپڑیوں میں رہ کر اور بوریوں پر بیٹھ کر سلطانی کرتے ہیں، ہمارے مخدوم وممدوح حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی علیہ الرحمہ بھی ایسے ہی پاکیزہ خصلت، فرشتہ صفت اور پاکِ طینت اللہ والے تھے جن کو عوامی مقبولیت کی وہ دولت حاصل ہوئی جو کم دیکھنے کو ملی۔ ان کا ایثار تواضع اور مہمان نوازی بادشاہوں کو بھی شرمندہ کر دیتی ہے۔

مطلب گر تونگری خواہی
جز قناعت کہ دولت است ہنی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ میں یہ صفت بھرپور طریقہ پر دستِ قدرت نے رکھی تھی، آپ نے کبھی دنیا اور اہل دنیا کی طرف رشک آمیز نگاہ نہیں ڈالی، دولت کے انبار اور جاہ واقتدار کبھی بھی آپ کو متاثر نہ کر سکے۔

آپ کی سب سے بڑی خوبی جس نے آپ کو امت کا محبوب بنا دیا تھا کہ ہر چھوٹے بڑے، امیر وغریب، اپنے اور پرائے اجنبی کے ساتھ یکساں محبت والا معاملہ فرماتے تھے اور ان کے ساتھ ایسا سلوک کرتے تھے کہ ہر شخص اپنی جگہ پر یہ سمجھتا تھا کہ ہم کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں، دراصل خاطر داری اور دلجوئی اللہ والوں کی خاص شان ہوتی

ہے جوان کی زندگی کا طرۂ امتیاز بن جاتی ہے۔

شنیدم کی مردانِ راہِ خدا
دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ

اسی طرح تواضع اور انکساری، فروتنی اور خاک نشینی بھی آپ کی زندگی کا ایک حصہ تھی۔ یہ سارے اوصاف اخلاق حسنہ کے وہ عمدہ مثالیں تھیں جن سے بندہ کو اللہ کا قرب اور مخلوق خدا میں محبوبیت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو یہ نہ بتادوں کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ اللہ کو محبوب اور سب سے زیادہ مجھ سے قریب کون شخص ہوگا، صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں، اللہ کے رسولؐ ضرور بتایئے، آپؐ نے فرمایا وہ شخص جو عمدہ اخلاق کا مالک اور خوگر ہو۔

ہمارے یہاں دارالمبلغین کے مولانا عبدالشکور ہال احاطہ شوکت علی رکاب گنج لکھنؤ میں منعقد ہونے والے شہدائے اسلام کے پندرہ روزہ اصلاحی، تبلیغی اور تاریخی جلسے میں حضرت قاری صاحب بڑے اہتمام اور فکر کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے بلکہ آپ ہی کی دعا پر جلسے ختم ہوتے تھے اور یہ سلسلہ تقریباً بیس سال تک جاری رہا، یہاں بھی ملاقات اور زیارت کرنے والوں کا ایک لمبا سلسلہ ہوتا تھا، تعویذ دعا کی درخواست کرنے والوں کا ہجوم ہو جاتا تھا، یہ اژدہام بعض اوقات تکلیف دہ بھی بن جاتا تھا لیکن کیا مجال کی حضرت قاری صاحبؒ کی پیشانی پر کوئی بل پڑ جائے اور امیدوں کے ساتھ آنے والا محروم چلا جائے اور یہ حالات تقریباً ہر جگہ پیش آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ امت کی طرف سے اُن کو بھرپور جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

ہمیں تم یاد آتے ہو...... تمہیں ہم یاد کرتے ہیں

از۔ مولانا عبدالعلی فاروقی

مدیر اعلیٰ ماہنامہ "البدر" کاکوری، لکھنؤ

میں نے اپنی ایک کتاب "اسلام ہمارا مذہب اور ہم مسلمان" کا انتساب کرتے ہوئے ایک خاص کیفیت اور عالم وارفتگی میں لکھا تھا کہ "ایک مرد خدا مست سے ملا.......... خوب خوب ملا۔

اس کی پر خلوص شخصیت۔ بے ریا کردار۔ پر عزم تگ ودو۔ پر فکر شب وروز۔ اور اجلے دامن، بولتی آنکھ، مسکراتے لب، بے کینہ دل، متفکر دماغ، روشن معمولات کے ساتھ اتنی مرتبہ، اتنی حالتوں میں اور اتنے مقامات پر ملا کہ اسے عدد میں بیان نہیں کرسکتا لیکن اب جب کہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہوکر دور بہت دور چلا گیا اور اسے پاکر بھی میں اس سے کچھ نہ پاسکا، نہ اس کے کٹھن راستہ پر دوچار قدم ہی چلنے کی ہمت جٹا سکا؟ تو اس کی یادیں کہتی ہیں کہ اس کتاب "اسلام ہمارا مذہب۔ اور ہم مسلمان" کا انتساب اس کے نام کردو تو اس کی روح مسکرائے گی کیوں کہ اس کتاب میں شامل کئی مضامین ایسے ہیں جنہیں پڑھتے ہوئے اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

یعنی

عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کے نام۔

کبھی آہ لب پہ مچل گئی، کبھی آنکھ سے آنسو نکل گئے

یہ تمہارے غم کے چراغ ہیں، کبھی بجھ گئے کبھی جل گئے"

اس کتاب کی اشاعت کم وبیش پانچ برس قبل ہوئی تھی، جب کہ ہمارے مخدوم حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کی وفات پر تقریباً پندرہ برس کے رات ودن گذر گئے۔ لیکن اپنے اس انتساب کی لفظ لفظ سچائی، اور اس پر تصدیق قلبی کا آج بھی اسی طرح اپنے کو اعتراف پر مجبور پاتا ہوں جس طرح لکھتے وقت آنسوؤں کو روشنائی بنا کر لکھنے پر مجبور ہوا تھا؟

اپنی دیکھی پرکھی اور شفقتوں و بے استحقاق عنایتوں سے حصۂ وافر عطا کرنے والی شخصیتوں میں تین نام ایسے ہیں کہ ان کا ذکر چھڑ جائے تو دل چاہتا ہے کہ ؎

دن چلے، رات چلے، صبح چلے، شام چلے

ایک تو یہی صاحب تذکرہ بزرگ، دوسرے ان کے شیخ ومرشد مصلح دوراں حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحبؒ اور تیسرے والد ماجد امیر کارواں حضرت مولانا محمد عبدالحلیم فاروقی صاحبؒ۔

ایسا کیوں ہے؟ اس کے جواز کے لئے دلائل بھی پیش کرسکتا ہوں، لیکن اچھا ہو کہ اسے میرا ''جذباتی معاملہ'' قرار دے کر چھوڑ دیا جائے؟ کیوں کہ بات دور تک چلے تو شائید مجھے یہ کہنا پڑ جائے کہ ؎

اک ذرا آپ کو زحمت ہوگی
آپ کے پاؤں کے نیچے دل ہے

جہاں تک اول الذکر یعنی محبوب انام وخالق انام عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحبؒ کا معاملہ ہے تو انہیں حدیث نبوی کی روشنی میں عرش سے شروع ہوکر فرش تک پہنچنے والی خالق ومخلوق کی محبوبیت کا ایک مصداق کامل قرار دئے جانے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ یہ طے نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے ''واقعی محبوب'' کون کون لوگ تھے؟ کیوں کہ ان کا حال یہ رہا کہ جس شخص نے ایک مرتبہ بھی ان سے کچھ تفصیلی

اور قرینہ کے ساتھ ملاقات کرلی وہ اس بات کا مدعی ہو جاتا کہ میں حضرت کا بہت نزدیکی اور محبوب ہوں۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ وہ دوسروں کو ان سے ملوا کر محبوب بنوانے کا ذمہ لینے کے لئے بھی تیار ہو جاتا۔ تو پھر کیوں کر نہ کہوں کہ۔

بسیار　　خوباں　　دیدہ　　ام

لیکن　　تو چیزے　　دیگری

میرے عزیز ڈاکٹر محمد طٰہٰ فاروقی صاحب ''مولوی نما'' ضرور ہیں لیکن میں تصدیق کرتا ہوں کہ وہ مولوی نہیں ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ سے ان کے ''رشتۂ عقیدت'' کی کوئی قابل ذکر بنیاد میرے علم میں نہیں ہے (ممکن ہے کہ وہ حضرت کے ''دست گرفتہ'' ہو گئے ہوں جس کا مجھے علم نہ ہو) اس کے باوجود ان کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہونا کہ حضرت کے تعلق سے کچھ نئے مضامین و تاثرات لکھوا کر شائع کئے جائیں، خود حضرتؒ کی منجملہ علامات محبوبیت ہی میں سے ہے۔ اور اس سلسلہ میں مرتب و ناشر سے بھی حسن ظن ہی رکھنا چاہئے؟

واقعہ یہ ہے کہ ماضی قریب میں حضرت قاری صاحبؒ سے زیادہ محبوب اور سہل الحصول شخصیت ہماری صف علماء میں کوئی دوسری نہیں رہی۔ عام طور پر لوگ اس کی بنیادی وجہ ''ان کی بزرگی'' کو قرار دیتے ہیں، جب کہ بزرگی خود اتنا وسیع الظرف لفظ ہے کہ اس کی تشریح مجھ جیسے ناتواں کے بس میں نہیں ہے، البتہ میں اس کے لئے تواضع، انکساری، یا اس سے بھی آگے بڑھ کر ''بے نفسی یا نفی ذات'' کا استعمال مناسب سمجھتا ہوں، اور اس سلسلہ میں اپنی گستاخانہ لیکن ''حضرت کی پسندیدہ'' ایک جرأت کو بطور سند اشارتاً ذکر کرنا برمحل سمجھتا ہوں۔

بات کم و بیش ۲۵ ربرس پہلے کی ہے کہ ممبئی کی جامع مسجد میں حضرتؒ سے ملاقات ہوئی تو وہ ایک خاص واقعہ کو لے کر بہت مضطرب نظر آئے، اور ''اپنے جبری تعلق'' کے حوالہ سے حضرتؒ نے جب کئی مرتبہ فرمایا کہ اب میرا کیا ہوگا؟ میرے تو سب سے ''نیازمندانہ

’’رشتہ ہے۔ تومیں نے کئی بڑوں کے حوالہ سے حضرت کی تسکین قلب کے لئے اپنا ایک مشورہ پیش کیا، جس سے حضرت کو قطعی تسلی نہیں ہوسکی، بلکہ بڑی عاجزی کے ساتھ فرمایا’’ کہ آپ بھی کن لوگوں کا حوالہ دے رہے ہیں؟ وہ سب ہمارے بڑے ہیں، میرے ان کے سامنے کیا حقیقت ہے؟ جواب میں میں نے شوخی وجرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جب یہ کہا کہ ’’حضرت! بڑے تو سب آپ کے ہیں ہی، کچھ اپنے چھوٹوں کے بھی نام بتادیجئے؟‘‘ تو بے ساختہ حضرت کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی اور اپنے مخصوص دھیمے دھیمے انداز میں فرمایا کہ ’’آپ بھی بڑی عجیب اور دلچسپ باتیں کرتے ہیں۔ اور میں یہ سوچ کر مطمئن ہوگیا کہ میری اس جرأت سے حضرت کے اضطراب میں کچھ تو کمی آہی گئی؟

اور پھر اسی سلسلہ ’’بے نفسی‘‘ اور ’’جرأت پسندیدہ‘‘ کا یہ واقعہ بھی یاد آرہا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کے حکم سے اور حضرت ہی کی معیت میں لکھیم پور کے ایک جلسہ میں شرکت کے لئے جانے کا موقع ملا۔ جلسہ تو رات میں بعد نماز عشاء تھا لیکن لکھیم پور کے لئے لکھنؤ سے روانگی صبح بعد نماز فجر ہی ہوگئی۔ کیوں کہ وہاں حضرت کے عقیدت مندوں، چاہنے والوں اور مریدوں کا بڑا حلقہ تھا جس کی رعایت حضرت والا کو مقصود تھی۔ مجھ جیسے بے مصرف اور مضیع الوقت شخص کے لئے جس کی ترجمانی کرتے ہوئے شاید میرؔ تقی میرؔ نے کہا تھا کہ ؎

ہوگا کسی دیوار کے سایہ کے تلے میرؔ
کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو

حضرت کے طوفانی دورہ میں رفیق سفر بننا ہی کیا کم جہاد تھا کہ مزید برآں ان کی دلجوئیوں اور خاطر شکنی سے بچانے کے لئے آرام، سکون اور جسمانی صحت کے تمام تقاضوں کو یکسر نظر انداز کرنے کی روش نے نہ صرف تھکا مارا بلکہ یہ سوچنے پر بھی مجبور کردیا کہ اب کیا جلسہ میں شرکت ہوگی اور کیسے بیان ہوگا؟

بات صرف بھاگ دوڑ ہی تک نہیں تھی، بلکہ حضرت والا کے طفیل میں ہر جگہ

''کھان پان'' کا بھی مضبوط انتظام تھا۔ دوپہر کے قریب تک یہ سلسلہ ''بنام ناشتہ'' چلتا رہا، اس کے بعد شروع ہوا دوپہر کے کھانے کا سلسلہ؟ اب جہاں پہنچتے انواع واقسام کے کھانوں سے دستر خوان سج جاتا۔ اور لطف یہ کہ کسی نے بھی پہلے سے حضرت کی دعوت کر کے کھانے کے لئے کہا نہیں تھا، مگر سب کو جیسے اطمینان تھا کہ حضرت والا کھانا میرے ہی گھر پر کھائیں گے۔ اور حضرت والا کا حال یہ کہ کسی سے بھی یہ نہیں کہتے کہ ''رسم کھانے کے اس عمل'' سے میں کتنی مرتبہ پہلے بھی گذر چکا ہوں؟ ہر ایک یہی سوچ کر مسرور وشاداں ہوتا کہ حضرت والا کھانا تو میرے یہاں کھا رہے ہیں۔ ایک پڑاؤ سے دوسرے پڑاؤ تک حضرت کے ساتھ چلنے والی بھیڑ میں کچھ تو ایسے نئے چہرے اپنے اپنے شکموں کے ساتھ شامل ہو ہی جاتے جو ''دستر خوان کا حق'' ادا کر کے صاحب خانہ کو شکایت کا موقع نہ دیتے۔ اور خود حضرت والا اپنی بار بار کی آزمودہ نقل وحرکت سے میزبان کو بہر حال مطمئن کر دیتے کہ حضرت بھی باقاعدہ کھانے میں شریک رہے ہیں؟ جب کہ میں ہر جگہ حضرت کے بالکل ساتھ ساتھ ہونے کی وجہ سے دیکھ رہا تھا کہ حضرت کس ''کمال فن'' کا مظاہرہ کر رہے ہیں؟ البتہ قرب، مہمانی اور حضرت والا کے الفاظ میں ''مخدوم زادگی'' کا یہ خمیازہ مجھے ضرور بھگتنا پڑ رہا تھا کہ ہر جگہ نئی چیز یا دلجوئی کے نام سے مجھے تو لقمہ دو لقمہ بھگتنا ہی پڑ رہا تھا؟ اور جب سہ پہر کو نماز عصر کے قریب اس انداز کی ''چوتھی تقریب کھانا'' سے فارغ ہو کر اٹھے تو میری قوت برداشت جواب دے چکی تھی اور اٹھتے ہوئے مجھے لہریں آرہی تھیں، جب کہ حضرت والا اپنے چہرہ پر بشاشت اور لبوں پر مسکراہٹ سجائے کچھ اس انداز میں اپنے کاندھے پر بڑا سا رومال درست کرتے ہوئے اٹھے کہ جیسے ابھی ''پانچویں تقریب'' میں بھی شرکت کرنا ہے؟ اس مرحلہ میں مجھے اپنی جان بچانے کیلئے اسی ''جسارت وجرأت'' کا سہارا لینا پڑا ہو میرے اور دوسروں کے لئے تو یقیناً گستاخانہ تھی لیکن خود حضرت کے لئے ''پسندیدہ'' تھی۔ چنانچہ اٹھتے اٹھتے میں نے حضرت کے کان کے قریب منھ کر کے

کہا ''حضرت! ایک آدھ وقت نہ کھانے کی کرامت تو میں بھی انجام دے سکتا ہوں، مگر یہ کرامت'' آپ ہی کے بس کی ہے کہ ایک ہی وقت میں چار جگہ کھانے کے دسترخوان پر بیٹھیں اور کسی میزبان کو یہ احساس نہ ہونے دیں کہ اس سے پہلے بھی آپ کہیں اسی عمل کو انجام دے چکے ہیں''۔ اب ذرا'' چھوہڑپن کی حدتک پہنچی ہوئی اس جسارت'' پر حضرت والا کا جواب سنئے اور فیصلہ کیجئے کہ اسے تواضع، انکساری، بے نفسی، یا دل داری وغیرہ وغیرہ جیسے کس خانے میں رکھا جائے؟ جواب میں مسکراتے ہوئے فرمایا'' دیہاتی آدمی ہوں، بہت کھاتا ہوں، میرا کچھ نہیں ہوتا۔ آپ شہری ہیں، آپ کو واقعی تکلیف ہو رہی ہوگی؟ اور میری تھکاوٹ اور چہرہ کی پژمردگی کا حوالہ دے کر باصرار تمام مجھے اسی جگہ کچھ دیر آرام کرنے کیلئے چھوڑ کر وہ اپنے کارواں کے ساتھ پانچویں اور چھٹی تقریب میں شرکت کیلئے چلے گئے۔

فنائیت و بے نفسی کی یہ داستان تو حضرت قاری صاحبؒ کی پوری زندگی میں ان کے امتیاز اور خصوصی علامت کی صورت میں بکھری ہوئی ہے۔ لیکن اگر میں اپنی آپ بیتی ہی کو ذکر کرنا چاہوں تو ایک مضمون نہیں، کم از کم ایک ضخیم کتاب لکھنا پڑے گی۔ تاہم اس سلسلہ کے ایک واقعہ کو بہت اختصار کے ساتھ اور ضروری تفصیلات سے بھی گریز کرتے ہوئے بیان کر دینے کے لئے دل اور قلم دونوں بے چین ہیں؟

ہوا یہ کہ ایک مرتبہ ہتھورا حاضر ہوا تو مجھے وہاں دیکھ کر حضرت کے فرزند اکبر اور اب جانشین حضرت مولانا حبیب احمد صاحب کچھ زیادہ ہی کھل اٹھے، ان کے ساتھ حضرت کے ایک گجراتی شاگرد اور مرید بھی تھے، جو اس وقت ایک بڑے تاجر اور افریقہ میں قیام پذیر تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت کے یہ جاں نثار کئی دن سے حضرت والا کے لئے ایک گاڑی مع ڈرائیور (اور اس کی مستقل تنخواہ کی ذمہ داری) خرید کر دینا چاہتے ہیں، مگر حضرت کو رضامند نہیں کر پا رہے ہیں۔ مولانا حبیب میاں مجھے اپنے بیچ پا کر اس

لئے خوش ہوئے تھے کہ حضرت کا یہ ''منھ لگا'' اس مہم کو سر کر لے گا جس سے یہ لوگ عاجز رہے تھے؟ ادھر حضرت کی شفقتوں وعنایتوں سے سرشار ہونے کی وجہ سے اپنی بھی یہ خوش فہمی تھی کہ معاملہ چٹکیوں میں حل ہو جائے گا۔ مختصراً یہ کہ اپنے حساب سے پوری تیاری کرکے اور اپنی کامیابی پر یقین کرتے ہوئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر گویا ''دھاوا'' بول دیا۔ اپنی طاقت لسانی کی ساری صلاحیتیں صرف کرنے اور اپنی نسبتوں ومحبتوں کے حوالہ سے حضرت کے انکار کو اقرار میں تبدیل کرانے میں جب کامیابی نہ مل سکی تو تھک ہار کر میں نے اپنا وہی ''آزمودہ نسخہ'' جسارت استعمال کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت! ہم بھی جانتے ہیں اور ہم سے کہیں زیادہ بہتر طور پر آپ جانتے ہیں کہ آپ کے کام کی نوعیت کیا ہے؟ اور آپ کو اس کی خاطر قریہ قریہ بستی بستی کس طرح جانا پڑتا ہے؟ اگر گاڑی ہوگی تو آپ تھوڑے وقت میں زیادہ لوگوں سے رابطہ کر سکیں گے۔ اور انشاءاللہ آپ کے اخلاص کے فیض سے دین کا زیادہ اور بہتر طور پر کام ہو سکے گا۔ اس لئے اس پیش کش کو ایک دینی ضرورت سمجھ کر قبول فرمالیجئے۔ خدا گواہ ہے کہ یہ درخواست آپ کی راحت سے زیادہ آپ کی دینی ضرورت کے پیش نظر کر رہا ہوں۔

میں یہ سمجھتا تھا کہ میرا یہ نسخہ لاجواب ہے اور حیل وحجت کے تمام ہتھیاروں کے ناکام ہونے کے بعد بھی اس راہ سے تو مجھے کامیابی مل ہی جائے گی؟ مگر اپنے مخصوص دھیمے لہجہ اور ڈبڈباتی آنکھوں کے ساتھ میرے شانہ پر بڑی شفقت کے ساتھ ہاتھ رکھ کر حضرت نے جو کچھ فرمایا اس نے میرے سارے بھرم کو خاک میں ملا کر مجھے لاجواب کر دیا اور پھر اس کے بعد میرے اندر کچھ اور کہنے کی ہمت ہی باقی نہ رہ گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ

''آپ کی سب باتیں اپنی جگہ صحیح ہیں، مجھے آپ کے خلوص ومحبت میں بھی کسی درجہ کا شک وشبہ نہیں ہے۔ مگر ایک بات یہ ہے کہ میری ساری محنت عام آدمیوں میں ہے، میں پیدل یا سائیکل کے کیریئر پر بیٹھ کر نکلتا ہوں تو ایک عام دیہاتی آدمی بھی مجھے راستہ

ں روک کر بات کر لیتا ہے، مسئلہ دریافت کر لیتا ہے، اپنی ضرورت اور پریشانی بیان کر دیتا ہے۔ اور میں اپنی بساط بھر اس کے لئے جو کر سکتا ہوں کر لیتا ہوں اگر میں بھی کار میں بیٹھ کر اراٹے بھرتے ہوئے گذروں گا تو وہ عام سادیہاتی مجھ سے کیسے رابطہ کر سکے گا؟ میرے کام کی برکت تو بس اسی میں ہے اور میں نے جو کچھ بن سکا اسی طرح کام کیا ہے۔ کیا آپ سے گوارہ کریں گے کہ میرے کام کی برکت ختم ہو جائے؟''

کوئی بتائے کہ اس عجز وانکسار، اس درد واخلاص، اور اس والہانہ بے نفسی کے مظاہرہ کے بعد کوئی کہہ بھی کیا سکتا ہے؟ فرحمة اللّٰه عليه رحمة واسعة.

یہ ہے عارف باللہ، پیکر تواضع وانکسار حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحبؒ کی کتاب زندگی کا ایک بہت نمایاں اور بہت دل آویز عنوان۔ اور مجھے یقین ہے کہ اسی ایک عنوان کے طفیل میں خود حضرت والاؒ کا یہ شعر انشاء اللہ ان پر صادق آکر رہے گا کہ ؎

جو پہنچا حشر میں ثاقبؔ فرشتے سب پکار اٹھے
محمدؐ کے غلاموں کے غلاموں کا غلام آیا

اللہ بس۔ باقی ہوس

☆☆☆

عارف دوراں

حضرت مولانا سید صدیق احمد باندویؒ

سید محمد شاہد سہارنپوری

امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

آپ کے والد ماجد کا نام سید احمد ہے، ۱۱رشوال ۱۳۴۱ھ/ ۲۸رمئی ۱۹۲۳ء میں آپ کی ولادت بمقام ہتھورہ ضلع باندہ میں ہوئی، حفظ قرآن پاک کا آغاز قاری عبدالرحمٰن اوراُن کی وفات پر اپنے ماموں مولوی سید امین الدین سے حفظ کی تکمیل کی، ان ہی سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔

بعد ازاں مشہور درسگاہ جامع العلوم کانپور آگئے اور یہاں مولانا مفتی سعید احمد محدث لکھنوی، مفتی صدر الدین، مولانا کمال الدین، مولانا سید سہراب علی سے فارسی اورعربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر مختلف مدارس تکمیل العلوم اجمیر، مدرسہ فتح پوری دہلی، مدرسہ شاہی مرادآباد میں چند سال تک پڑھ کر آپ پانی پت آگئے، یہاں شرح جامی بحث فعل تک درسیات پڑھیں، سبعہ قرأت کی تکمیل بھی یہیں ہوئی۔

شوال ۱۳۵۹ھ/دسمبر ۱۹۴۰ء میں آپ نے مظاہر علوم میں تکمیل علوم دینیہ کے قصد سے داخلہ لے کر یہ کتابیں پڑھیں، اصول الشاشی، میر قطبی، کنز الدقائق، بحث اسم، سلم العلوم، تلخیص المفتاح۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ مظاہر علوم کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا عبداللطیف، شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریہ کاندھلوی اور صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری تھے۔

آپ نے دوسرے سال شوال ۱۳۶۰ھ رنومبر ۱۹۴۱ء میں مختصر المعانی، مقامات حریری، شرح وقایہ، نورالانوار وغیرہ پڑھ کر شوال ۱۳۶۱ھ میں جلالین شریف، ہدایہ اولین، میبذی، رشیدیہ، تاریخ الخلفاء کتابیں پڑھیں، شوال ۱۳۶۲ھ / اکتوبر ۱۹۴۳ء میں دورۂ حدیث شریف پڑھا۔

آپ نے بخاری شریف جلد اول اور ابو داؤد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی سے، بخاری جلد ثانی حضرت مولانا عبداللطیف سے، مسلم شریف حضرت مولانا منظور خاں سے، ترمذی، شمائل ترمذی اور طحاوی حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری سے، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، موطا امام محمد حضرت مولانا اسعد اللہؒ سے پڑھیں۔

ان کے علاوہ مولانا مفتی قاری سعید احمد، مولانا عبدالشکور، مولانا امیر احمد کاندھلوی، مولانا ظہورالحق، مولانا جمیل احمد تھانوی، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی بھی آپ کے اساتذہ میں ہیں۔

دورۂ حدیث میں آپ کے خصوصی رفقاء یہ تھے۔

(۱) مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنیؒ (۲) مولانا محمد وجیہ ٹانڈوی (۳) مولانا سید ثانی حسنی لکھنوی (۴) مولانا امداد اللہ سہارنپوری، جامعہ مظاہر العلوم میں حصول تعلیم کے دوران آپ کا روحانی واصلاحی تعلق حضرت مولانا اسعد اللہ استاذ حدیث وخلیفہ حضرت اقدس تھانوی سے قائم ہوا اور پھر ان ہی کی جانب سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی۔

فراغت علم کے بعد درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا، تین سال تک مختلف مقامات پر درس دیتے رہے اس کے بعد اپنے علاقہ ہتھورہ پہنچ کر فتنۂ ارتداد کا مقابلہ کیا، آپ کی مسلسل محنت اور جدوجہد بار آور ہوئی اور جو لوگ مرتد ہو گئے تھے وہ دوبارہ اسلام میں داخل ہوئے، آپ کی اصلاحی مجالس اور دینی مضامین پر مشتمل تقاریر سے خلق خدا کو زبردست فیض پہنچا، اُن کے مشرکانہ عقائد اور بدعتی خیالات ختم ہوئے۔

حضرت مولانا تقریری صلاحیت کے ساتھ ساتھ تحریری صلاحیت کے بھی مالک تھے چنانچہ مختلف موضوعات پر آپ کی بیس سے زائد تصنیفات وتالیفات موجود ہیں جن میں تسہیل الباری صحیح البخاری نے اپنی افادیت ونافعیت کی وجہ سے بڑی شہرت پائی، یہ کتاب حضرت مولانا کی محض درسی تقریر نہیں بلکہ باقاعدہ تالیف ہے، جو تین سال کے عرصہ میں تصنیف کی گئی، اور حضرت مولانا اپنی وفات تک برابر اس میں اضافہ فرماتے رہے۔

اس کتاب میں آپ نے اپنے تحقیقی ذوق کا ثبوت دیتے ہوئے متقدمین ومتاخرین کی شروحات کے ساتھ ساتھ اکابر علماء دیوبند وسہارنپور کی تحقیقات سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے۔

نیز اس شرح کی امتیازی خصوصیت ترجمۃ الباب کی احادیث ابواب سے مطابقت ومناسبت ہے، کتاب کی جلد اوّل چارسو صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں باب من اجاب السائل باکثر مما سائلہ کی تسہیل وتشریح آگئی ہے، ربیع الاوّل ۱۴۱۱ھ میں یہ لکھی گئی ہے اور بزم صدیق بمبئی وادارہ فیض صدیق باندہ سے مشترکہ طور پر شائع ہوئی۔

ان کے علاوہ فن تجوید، منطق، صرف، نحو پر بھی مولانا کی متعدد کتابیں ہیں جن کا تعلق درس نظامی میں پڑھائی جانے والی کتابوں کی شروح وتشریحات سے ہے، یہ تمام کتابیں آسان اور عام فہم زبان میں ہیں، اس لئے بکثرت طلبائے مدارس کے مطالعہ میں رہتی ہیں، بہت سے مدارس میں یہ داخل نصاب بھی ہیں۔

مخدومنا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ سے آپ کو آخر تک گہری عقیدت، نیازمندی بلکہ وابستگی اور دل بستگی رہی، بکثرت سہارنپور تشریف لاکر کئی کئی دن قیام فرماتے، خط وکتابت کے ذریعہ سے بھی رابطہ میں رہتے اور اپنے پیش آمدہ معاملات ومسائل میں حضرت سے رجوع کرکے مشورے بھی لیتے تھے۔

ذیل میں آپ کے تین مکاتیب نقل کرتا ہوں جن سے اس تعلق ویگانگت کا بخوبی

اندازہ ہوتا ہے۔

(۱)

از مدرسہ عربیہ ہتھورا ضلع باندہ

سیدی دامت برکاتکم　　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خادم بخیریت رہ کر خیریت چاہتا ہے۔

ایک شب حضرت کی زیارت خواب میں ہوئی، یہ دیکھا کہ حضرت والا غریب خانہ پر تشریف لائے اور غریب خانہ بالکل حضرت کے دولت کدہ کی طرح ہے، حضرت والا رفع حاجت کیلئے تشریف لے گئے احقر نے پانی بھر کر لوٹا دیا، طہارت کے بعد ناشتہ کا انتظام کیا کچھ اور حضرات تھے حضرت ایک پیالہ خود اٹھانے لگے خادم نے عرض کیا حضرت کیلئے دوسرا پیالہ ہے، اس میں تازہ دودھ جس میں تھوڑا سا پانی ملا دیا تھا حضرت کیلئے پیش کیا اور عرض کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اسی طرح دودھ پیش کیا تھا، خادم نے حضرت کے لئے اسی وجہ سے ایسا انتظام کیا ہے۔

اس کے بعد اپنے کو دیکھا کہ حضرت والا کے دولت کدہ پر حاضر ہے اور حضرت والا نے دوسرے مہمانوں کے ساتھ اس خادم کے ناشتہ کا انتظام کیا، دستر خوان پر تازی جلیبی تھیں اس میں کوئی ہاتھ نہیں لگا رہا تھا حضرت نے فرمایا کہ جب تک صدیق نہ شروع کرے گا کوئی نہ کھائے گا احقر نے شروع کیا اس کے بعد سب کھانے لگے۔

اس خواب کے بعد دل میں بڑی مسرت ہوئی، حضرت والا اس کی تعبیر فرمادیں، دو بچے بیمار ہیں ان کی صحت کیلئے دعا فرمادیں۔

احقر طالب دعا صدیق احمد غفرلہ

۷ر شعبان ۱۳۷۴ھ ریکم اپریل ۱۹۵۵ء

(۲)

از مدرسہ عربیہ ہتورا ضلع باندہ

سیدی دامت برکاتکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خادم بخیریت رہ کر حضرت والا کی خیریت چاہتا ہے۔

عرصہ سے حالات نہیں معلوم ہو سکے، اب کیا حال ہے خداوند کریم مفسدین کو عبرتناک سزا دیں۔

حضرت وہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف طلبہ ہی اس میں نہیں ہیں بلکہ کچھ ذمہ دار حضرات کا بھی اس میں دامن پاک نہیں ہے ان کا مدرسہ میں رہنا خود ان کے حق میں مفید نہیں، دیانت داری کی بات تو یہی ہے کہ ان کو جلد سے جلد خود ہی مدرسہ سے چلا جانا چاہئے۔ ہم خدام برابر دعا کر رہے ہیں۔ والسلام

احقر الناس خادم:۔ صدیق احمد غفرلہ ۴/ ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ

(**نوٹ**) یہ مکتوب جامعہ مظاہر علوم میں ۱۳۸۳ھ میں ہونے والی زبردست اور خطرناک اسٹرائک کے زمانہ میں قاری صاحب موصوف مرحوم نے حضرت شیخ کو تحریر کیا تھا، اس مکتوب میں جن ذمہ دار حضرات کا ذکر ہے وہ ہی ذمہ دار حضرات حضرت شیخ کی وفات کے بعد پوری قوت کے ساتھ مظاہر علوم کو بے آبرو اور رسوا کرنے کے لئے میدان ذلت میں اترے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ (محمد شاہد)

(۳)

از مدرسہ عربیہ ہتورا ضلع باندہ

سیدی ومولائی دامت برکاتکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ایک سانحۂ جانکاہ کی اطلاع ملی جس سے بہت صدمہ پہنچا، اسی وقت مدرسہ میں قرآن خوانی ہوئی اور حضرت کے لئے ایصال ثواب کیا گیا، سب ہی اس واقعہ سے

محزون ہیں، اللہ پاک حضرت والا اور تمام متعلقین کو صبر جمیل اور حضرتؒ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ نصیب فرماویں اور قوم کا جو نقصان عظیم ہوا اس کا نعم البدل عطا فرمائیں۔

اسی دن احقر کے ماموں جن کو ایک صاحب نے مارا تھا اور سخت ضرب آئی تھی انتقال ہوا ہے، احقر کے بڑے محسن تھے تمام بار کفالت اپنے ذمہ لئے ہوئے تھے، لیکن یہ غم حضرتؒ کے غم سے بھول گیا۔

والسلام..................احقر صدیق احمد غفرلہ

(**نوٹ**) یہ مکتوب حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے وصال پر بطور تعزیت لکھا گیا تھا، جن کا انتقال ۲۹/ ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ/ ۲/ اپریل ۱۹۶۵ء بروز جمعہ لاہور (پاکستان) میں ہوا، جنازہ نظام الدین لایا گیا اور حضرت شیخ کی زیر امامت نماز جنازہ ہوکر مرکز نظام الدین کے احاطہ میں تدفین عمل میں آئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

جماعت تبلیغ سے بھی مولانا کو خاص لگاؤ اور انس تھا، فراغت علم کے بعد مسلسل دو سال تبلیغ میں وقت لگایا اپنے علاقہ میں جہاں ہفتہ وار اجتماع نہیں ہوتا کوشش کر کے اجتماع کرانا لوگوں کو اس سے جڑنے کی دعوت دینا، غرض کہ اپنے علاقہ میں تبلیغ کی پوری پوری سرپرستی فرمانے کا زندگی بھر معمول رہا۔

آپ نے اپنی حیات میں کئی اہم اجتماعات ہتھورہ باندہ اور اس کے اطراف وجوانب میں کرائے، ان اجتماعات میں لاکھوں لوگوں نے شرکت کی اور ہزاروں کی تعداد میں جماعتیں بن بن کر اللہ جل شانہ کے راستہ میں دین کی سربلندی کے لئے نکلیں۔

ایک مرتبہ حضرت جی ثالث مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ کے زمانہ امارت میں حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ نے عظیم پیمانہ پر مدرسہ عربیہ ہتھورہ باندہ میں ایک تبلیغی اجتماع کرایا حضرت مولانا انعام الحسن بھی اس میں تشریف لے گئے، مگر خدام کے ساتھ یہ احقر راقم سطور بھی شریک سفر تھا۔

تقدیری بات یہ ہوئی کہ دوران جلسہ زبردست بارش ہوئی جس کی وجہ سے جلسہ کا پورا نظام درہم برہم ہوگیا، حضرت مولانا باندویؒ کی طبیعت پر اس کا سخت اثر ہوا لیکن بارش بند ہو جانے پر جب ان دونوں حضرات کا آمنا سامنا ہوا تو حضرت جیؒ نے حضرت مولانا کو مخاطب کر کے برجستہ طور پر فرمایا کہ مولانا!

''جدھر مولا اُدھر شاہ دولا''

یہ سنتے ہی مولانا کا وہ تاثر ختم ہو گیا اور چہرہ پر بشاشت دوڑ گئی۔

دعوت وتبلیغ کے علاوہ مولانا کا محبوب مشغلہ مکاتب قرآنیہ کا قائم کرنا بھی رہا ہے، چنانچہ سینکڑوں مقامات پر مکاتب ومدارس قائم فرمائے، جہاں کئی ہزار طلبہ بیک وقت تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

اپنے اسی علمی وتعلیمی جذبہ کے پیش نظر انہوں نے اپنے وطن میں ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء میں جامعہ عربیہ ہتھورہ باندہ کا افتتاح کیا، آپ اپنے قائم کردہ مدرسہ جامعہ عربیہ ہتھورا ضلع باندہ کے ناظم اعلیٰ اور شیخ الحدیث بھی تھے، نیز دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء، مدرسہ دارالرشاد بارہ بنکی، جامعہ انوار العلوم مؤ، ائمہ الہ آباد وغیرہ اداروں کے بھی آپ رکن اور ممبر رہے۔

۲۵/ربیع الاوّل ۱۳۷۶ھ/۳۱/اکتوبر ۱۹۵۶ء میں حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ کی جانب سے مجاز اور اُن کے خلیفہ ہوئے آخر زمانہ میں آپ کا فیض خوب پھیلا اور مخلوق خدا نے بڑا استفادہ آپ سے کیا۔

۲۳/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ/۲۸/اگست ۱۹۹۷ء بروز جمعرات لکھنؤ کے نرسنگ ہوم میں آپ کا ستر (۷۰) سال کی عمر میں وصال ہوا، اب آپ کے فرزند اکبر مولانا قاری سید حبیب احمد مظاہری آپ کے جانشین اور ادارہ کے سربراہ اعلیٰ ہیں۔

☆☆☆

حضرت شاہ سید صدیق احمد باندویؒ

عارف باللہ..........عاشق رسولؐ

از۔شاہ قاری سید مصطفیٰ رفاعی جیلانی
سجادہ خانوادۂ قادریہ رفاعیہ کرناٹک

حضرت سید صدیق احمد شاہ صاحبؒ عصر حاضر کے ان اتقیاء، اصفیاء اور اولیاء بزرگ صوفیا میں سے تھے جو ملک اور بیرون ملک عوام وخواص میں بہت مشہور ومعروف تھے۔ تعلیم وتربیت اور تزکیہ کے میدان میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے کارہائے نمایاں لئے ہیں اور اس کے ساتھ غیر مسلمین میں دعوت کا بھی عظیم المرتبت کام آپ سے لیا ہے۔ مسلمان تو ہر حال میں حاضری باش اور اس کے ساتھ سیکڑوں ہزاروں غیر مسلم آپ کی خدمت میں حاضری دیتے اور آپ کی نصائح اور دعاؤں کے مستفید ہوتے، بیک وقت مسلم وغیر مسلم خواص وعوام میں اتنی مقبولیت، یہ آپ کے خداداد عطیہ تھی۔ قرب وجوار کے، دور دراز سے، ملک بھر سے اور بیرون ملک سے لوگ معتقدانہ طور پر کثرت سے آپ کی خدمت میں باریاب ہوتے، بیعت ہونے والوں، اصلاحی تعلق رکھنے والوں کی آمد بھی شب وروز جاری رہتی۔ جن لوگوں کا آپ کے مستقر ''باندہ'' جانا ہوا ہو، وہ جانتے ہیں کہ ''جنگل میں منگل'' کا مقولہ یہاں صادق آتا ہے، شہر کی رونقوں اور شہر میں سہولیات سے دور یہ قطع محض آپ کی بابرکات ہستی کی بدولت ''مرجع'' بن گیا ہے۔

باندہ کا یہ علاقہ دینی تعلیم سے کوسوں دور تھا، آج یہ علاقہ علوم دینیہ سے مشرف ہوئے نہ صرف اطراف واکناف سے بلکہ ملک بھر سے طلباء آپ کے مدرسہ میں زیور علم سے مزین اور ساتھ ساتھ روحانی تربیت سے آراستہ پیراستہ ہو رہے ہیں۔ آپ اس دور کے ایک عالم ربانی، صوفی باصفا، درویش ولی، بزرگ ہستی تھے۔ صوفیت وروحانیت اور ولایت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونے کے باوجود آپ، نہایت سادہ طبع، منکسر المزاج اور حد درجہ مسکین صفت انسان تھے، جن خوش نصیبوں کو آپ کی زیارت وصحبت نصیب ہوئی اور بالخصوص جن حضرات کو آپ کی معیت ورفاقت میسر ہوئی ہے وہ جانتے ہیں کہ دیگر اوصاف وکمالات کے ساتھ آپ کا ایک امتیاز ''بے خودی'' تھا، تاحیات کبھی اپنی ذات کی بزرگی کے بارے میں ایک لفظ کہیں بھی نہیں فرمایا۔

آپ کا حال ''خلوت در انجمن'' کا تھا، ہوتے رہتے تو لوگوں کے اژدحام میں جم غفیر میں مگر ''دل بہ یار'' کے مصداق خلائق سے بیگانہ رہتے، ہمیشہ ''حضوری'' کی کیفیت تمام معمولات ومعاملات سرانجام دیتے تھے۔ آپ کے اسفار بھی بہت ہوتے، قرب وجوار، دور دراز علاقوں کے دورے ہوتے، صحبت یافتہ حضرات جانتے ہیں کہ تاحیات آپ کا اصول ومعمول ایک ہی رہا، سفر ہو حضر ہو، وہی عبادات، وہی خانقاہی مشاغل۔ آپکی شخصیت میں ایسی جاذبیت تھی کہ جو بھی شخص ایک مرتبہ آپ سے ملتا، وہ آپ کا ہو کر رہ جاتا اور ہمیشہ گرویدہ رہتا اور بار بار صحبت میں باریابی واستفادہ کا داعیہ وولولہ اپنے اندر موجزن پاتا۔

آپ اس دور کے تمام اکابر شیوخ کے نور نظر تھے، خانقاہوں کے سب مشائخ، مدارس کے تمام علماء، دعوت وتبلیغ کا سارا حلقہ، آپ کو پسند کرتا تھا۔ اس رفاعی فقیر کے پیرومرشد حضرت شیخ الحدیث شاہ محمد زکریا کاندھلوی مدنیؒ اور رفاعی فقیر کے محسن ومربی حضرت شاہ سید ابوالحسن علی ندویؒ آپ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ آپ کی جب بھی

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ آمد ہوتی تو تمام اساتذہ آپ سے ملاقات کرنے کے مشتاق اور آپ سے دعا لینے کیلئے بیتاب ہوتے تھے، آپ کی ''عجیب شان'' تھی کہ مشائخ، علماء سیاسی قائدین، دانشور، عوام وخواص، مسلم وغیر مسلم تمام طبقات میں آپ یکساں معروف ومقبول تھے۔

آپ کا ایک وصف جو آپ کے اوصاف میں سرفہرست رہا وہ حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعشق کا ربط وضبط تھا۔ ''عاشق رسولؐ'' کا لقب مکمل طور پر آپ کے شایان شان تھا۔ حضور اقدسؐ کی محبت میں آپ بے خود رہتے۔ حضور اقدسؐ کی شان میں جو نعتیں آپ نے کہی ہیں، سرسری طور پر بھی کوئی ان کو پڑھے تو معلوم ہوگا کہ ان میں کتنی وارفتگی در ماندگی، شیفتگی، فدویانہ پن اور جانثارانہ انداز ہے۔

بلا شبہ حضرت شاہ سید صدیق احمد باندویؒ ''عارف باللہ'' تھے اور ''عاشقِ رسولؐ'' تھے۔ مکمل طور پر ''کتاب اللہ و سنت رسول اللہؐ'' پر کاربند تھے۔ احکامات الٰہیہ اور سنن نبویہؐ پر عمل پیرا تھے۔ حبّ الٰہی اور عشق رسولؐ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس ''عرفان وعشق'' کی بدولت آپ تاحیات ''رھبانٌ باللیل و فرسانٌ بالنھار'' رہے تھے۔ انہیں اوصاف وامتیازات کی وجہ سے بڑے درجہ کے عابد وزاہد صوفی ولی ہونے کے باوجود بلاتفریق مذہب وذات تمام انسانوں سے واسطہ ورابطہ رکھتے تھے۔ یہ ادنیٰ رفاعی فقیر بارگاہِ ربّ العزت میں دست بدعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو برزخ میں، محشر میں، خوب سے خوبتر جزاءعطا فرمائے اور ''ماتشتھی الانفس وتلذّ الاعین'' کی نعمتوں سے مشرف فرمائے۔

☆☆☆

ایسا کہاں سے لائیں!

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کی یاد میں

از۔ مفتی محمد سلمان منصور پوری

مدرسہ شاہی مراد آباد

وہ روح جو ۷۰ رسال تک غم فراق میں مضطرب رہی، وہ نفس جو سالہا سال تک آخرت کے شوق میں سرگرداں رہا، وہ مسافر جو ہزار فتنہ سامانیوں کے باوجود دنیا میں رہ کر بھی اپنے کردار سے واقعی ''کن فی الدنیا کعابری سبیل'' کا سراپا نمونہ پیش کرتا رہا، انسانیت کی خیر خواہی سے جس کا خمیر اٹھایا گیا، سادگی اور تواضع کے سانچے میں جسے ڈھالا گیا، ریاضت اور مجاہدہ کی بھٹی میں جسے کندن بنایا گیا، اتباع سنت کے نور سے جس کی کشادہ جبیں ضیاء بار اور اطاعت خداوندی کے جذبہ سے جس کا قلب اطہر منور تھا، جس کی زندگی جہد مسلسل کا عنوان اور جس کی حیات مقدسہ کا ہر ہر لحمہ نفع خلائق کے لئے وقف تھا، جس کے پر تاثیر مواعظ سے اگر ظلمت کدوں کو روشنی ملی اور ہزاروں بے راہ رووں کو ہدایت کا سراہاتھ آیا، تو دوسری طرف سیکڑوں تشنگان علوم نبوت نے جس کے فیوض سے جی بھر کے سیرابی کا شرف حاصل کیا، جس نے اپنے بلند اور امتیازی کردار سے اسم با مسمی ''صدیق احمد'' ہونے کا ناقابل تردید ثبوت پیش کیا، اور جس کی عظمت کے اعزاز

میں قدم قدم پر دنیا دیدۂ و دل فرشِ راہ کرتی رہی، وہی عارف باللہ، محبوب خلائق، جنیدِ وقت ، احیاءِ سنت کا علمبردار، علوم نبوت کا عاشق حقیقی، اور نمونۂ اسلاف گزشتہ ۲۳ / ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۸ / اگست ۱۹۹۷ء بروز جمعرات دن میں ۱۰ / بجکر ۱۰ / منٹ پر لکھنؤ کے ایک نرسنگ ہوم میں، ہزاروں جان نثاروں کو روتا، بلکتا چھوڑ کر اپنے محبوب حقیقی سے جاملا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کی ذات ان مقبولان بارگاہ میں تھی جن کا محض وجود ہی عالم میں رحمت اور برکت کا باعث ہوتا ہے اور جن کی مستجاب دعائیں نہ جانے کتنے حوادث سے رکاوٹ بنی رہتی ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ جہاں علم وفضل کے آفتاب تھے وہیں اعمال صالحہ، ورع وتقویٰ اور زہد واخلاص میں بھی اپنی نظیر آپ تھے۔ دنیا سے ایسی بے رغبتی کہ محسوس ہوتا تھا کہ آپ کی نظر میں اس کی حیثیت ٹھیکروں کے برابر بھی نہیں ہے۔ سادگی ایسی کہ دیکھ کر صحابہ کرامؓ کی زندگی کا نقشہ گھوم جائے۔ اخلاق ایسے کہ ایک ہی ملاقات میں دلوں کو موم کر ڈالیں۔ مہمان نوازی کا وہ نمونہ کہ خود مہمان حیرت میں پڑ جائے۔ طلبہ سے وہ شفقت ومحبت کی ہر طالب علم پہلی ہی نظر میں گرویدہ ہو جائے۔ ماتحتوں اور اپنے سے چھوٹوں کی وہ عزت اور حوصلہ افزائی کی ہر شخص قدرتی طور پر دل سے ممنون ومشکور ہو جائے۔ امت کے لئے تڑپنے والا وہ دل جو دن رات امت کی خیر خواہی کی فکر میں مشغول رہتا، ہدایت واصلاح کا وہ مخلصانہ پرجوش جذبہ جس نے آپ کی زندگی سے لفظ ''آرام'' گویا حرف غلط کی طرح مٹا دیا تھا اور آپ دن رات ایک ہی انداز میں جدوجہد اور محنت کے عادی بن گئے تھے، رات کی اندھیری ہو یا دن کا شور شرابہ، سفر ہو یا حضر، موسم اور حالات سازگار ہوں یا ناموافق، الغرض کوئی بھی چیز آپ کی نفع بخش انتھک مصروفیات کے لئے مانع نہ تھی۔

کئی ماہ سے حضرت قاری صاحبؒ کی علالت کی خبریں مل رہی تھیں۔ اور بار بار یہ

داعیہ پیدا ہوتا تھا کہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عیادت کا شرف حاصل کیا جائے۔ لیکن ابھی یہ ارادہ ہو ہی رہا تھا کہ ۲۸ ر اگست ۹۷ء کو پونے گیارہ بجے کے قریب مدرسہ میں یہ اندوہناک خبر پہنچی کہ حضرت قاری صاحبؒ وصال فرما چکے ہیں۔ اس خبر نے تمناؤں کو حسرتوں میں بدل دیا۔ بے اختیار زبان سے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' نکلا اور حضرت کا پرنور سراپا نظروں میں گھوم گیا۔ کہاں دیکھیں گی آنکھیں اب وہ حسن اخلاق اور الفت و مروت کا پیکر، وہ سادگی کا مرقع، عجز وانکساری اور تواضع وفروتنی کا نمونہ اور زہد اسلاف کی زندہ یادگار، واقعہ یہ ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کی وفات سے ایسا خلا پیدا ہوا ہے۔ جس کی کسک امت مسلمہ عرصۂ دراز تک محسوس کرتی رہے گی۔

حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی میں چند اوصاف بہت ہی نمایاں تھے جنہوں نے آپ کی شخصیت کو محبوب خلائق اور مقبول عند اللہ بنا دیا تھا۔

(۱) علم سے بے انتہا شغف

علوم نبوت سے آپ کو حد درجہ عشق تھا۔ حصول علم میں آپ نے ناموافق حالات کے باوجود جدوجہد فرمائی اور جا بجا سفر فرما کر اپنے وقت کے اساطین امت سے اکتساب فیض کیا۔ اسی عشق نے آپ کو باندہ سے کانپور، پانی پت، مظاہر علوم سہارنپور، مدرسہ شاہی مراد آباد، مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی، ٹونک اور مظفر پور کے مراکز علم کی جادہ پیمائی پر مجبور کیا تھا۔ جس سے آپ کی ذات معقولات ومنقولات کا سنگم بن گئی تھی اور تحصیلِ علم میں آپ نے اپنے اساتذہ کی نگاہ میں اتنا وقار حاصل کر لیا تھا کہ آپ کے مرشد ومربی حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحبؒ اور استاذ گرامی حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحبؒ فرماتے تھے کہ ''قیامت میں اگر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا لے کر آئے؟ تو ہم صدیق احمد کو پیش کر دیں گے''
فراغت کے بعد آپ نے اشاعت علم کے لئے اپنی ساری زندگی وقف فرما دی۔ مختلف اداروں میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد جب آپ نے ۱۳۷۱ھ میں خزینۃ العلوم

کے نام سے اپنے وطن مالوف ہتھورا باندہ میں جامعہ عربیہ کی بنیاد رکھی تو آپ کے جذباتِ
اشاعت علم عروج پر آنے لگے۔ بنجر علاقہ، جہالت کی آماجگاہ، جرائم اور خوف ودہشت کا
ماحول، لیکن اس اللہ کے مخلص بندہ نے انہی جاں گسل حالات میں محض اللہ کے بھروسہ
پر کام کا آغاز کیا۔ اور مسلمانوں کی مرتد شدہ نسلوں کو دوبارہ ایمان کی دولت سے مشرف
کرانے لگا۔ کچے مکان اور کھپریل کے نیچے بیٹھ کر سالوں سال دین کے لئے محنتیں کیں۔
آس پاس کے دیہاتوں اور جنگل نما آبادیوں میں سفر کر کے مسلمان بچوں کو فراہم کرنے
اور انہیں دینی علوم سے آراستہ کرنے میں اپنا خون پسینہ کھپاتے رہے۔ ایک مرتبہ خود
دوران گفتگو ارشاد فرمایا کہ "یہ مدرسہ کچا تھا اور ضلع باندہ کی مٹی ایسی ہے جو برسات میں بہہ
جاتی ہے جس کی وجہ سے ہر سال دیواریں اور چھتیں گر جاتیں یا مخدوش ہو جاتی تھیں" فرمایا
کہ: "بسا اوقات ایسا ہوتا کہ برسات میں اندر کے حصے میں کیچڑ ہو جاتی اور طلبہ اور اساتذہ
کھڑے کھڑے ہاتھ میں کتاب لئے پڑھتے پڑھاتے تھے"۔ فرمایا کہ ادھر میری حالت
آج بھی یہ ہے کہ اگر کسی سے اپنی ضرورت کے لئے کوئی لفظ بھی زبان سے نکل جاتا تو میرا
دل بھر آیا اور میں نے اپنے استاذ حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کو صورت حال لکھی، اس وقت حضرت مفتی صاحبؒ کانپور میں اقامت پذیر تھے، انہوں
نے میری ہمت افزائی فرماتے ہوئے پکی تعمیر کیلئے ایک معتد بہ رقم سردست روانہ فرمائی
اور یہ تاکید فرمائی کہ اب کام مت روکنا"۔ فرمایا کہ "اس کے بعد سے مسلسل اللہ تعالیٰ نے
دستگیری فرمائی اور ضرورت کے اسباب مہیا ہوتے چلے گئے۔ فالحمد للہ"۔

آج یہ مدرسہ ملک کے مرکزی اداروں میں شمار ہوتا ہے اور ایک جہالت زدہ علاقہ
میں علوم نبوت کی ضیاء پاشیاں کر رہا ہے یہ صرف حضرت قاری صاحبؒ کے بے پایاں
اخلاص وتوکل اور علمی شغف کی برکت ہے۔ آخری زمانہ میں آپ کے اسفار حد سے زیادہ
ہونے لگے تھے۔ لیکن اس دور میں بھی آپ اپنے متعلقہ اسباق کا حتی الامکان ناغہ نہ ہونے

دیتے تھے۔ اور کہیں جلسہ میں تشریف لے جاتے تو راتوں رات چل کر واپس تشریف لاتے اور آتے ہی سبق پڑھا دیتے۔ گزشتہ سال ہم لوگ باندہ حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ میں طلبہ کے نقصان کا خیال کرتے ہوئے خود ہی سفر کرتا ہوں اور رات ہی میں واپس لوٹ آتا ہوں اگر اپنی جگہ کسی اور مدرس کو بھیج دوں تو وہاں ایک جلسہ کے لئے ڈیڑھ دو دن کا ناغہ کرے گا۔ میں صرف اسباق کی پابندی کیلئے یہ مشقت اٹھاتا ہوں''۔ اس سے آپ کے بلند پایہ جذبات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آپ آداب تعلیم و تعلم پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔ اور ان پر نہ صرف یہ کہ خود عمل پیرا تھے بلکہ مدارس دینیہ سے وابستہ ہر فرد کو اس راستہ پر چلنے کی تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ اس موضوع پر آپ نے دو رسالے ''آداب المتعلمین'' اور ''آداب المعلمین'' کے نام سے تالیف فرمائے۔ جو اپنے موضوع پر نہایت مفید اور مقبول ہیں۔ علاوہ ازیں طلبہ کی ناقص استعدادوں کا خیال فرماتے ہوئے آپ نے تجوید، نحو، صرف اور منطق پر مختصر رسالے مرتب فرمائے اور منطق کی ادق کتاب سلم العلوم کی شرح لکھی جو دیگر شروحات کے مقابلہ میں آسان اور جامع ہے۔ اسی طرح شرح جامی کی مبسوط شرح تالیف فرمائی۔ اور اب آخری عمر میں ہوش ربا مصروفیات اور مسلسل اسفار کے دوران شرح تہذیب کی شرح تحریر فرمائی جو آپ کے بے انتہا علمی شغف کی آخری نشانی ہے۔ آپ عمر کے آخری لمحات تک تعلیم و تعلم ہی میں مشغول رہے۔ بدھ ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ کو ظہر کے بعد آپ نے سلم العلوم کا درس دیا اس کے بعد بخاری شریف کے درس کے لئے وضو فرما رہے تھے کہ مرض الوفات کا آغاز ہوا۔ گویا کہ باقاعدہ ہوش وحواس کے آخری لمحات آپ نے اپنی زندگی کے محبوب مشغلہ میں گذارے۔ اور جب طبیعت زیادہ بگڑنے پر آپ کو باندہ سے لکھنؤ لے جایا جانے لگا تو آپ نے آخری بات یہی ارشاد فرمائی کہ ''مدرسہ کا خیال رکھنا اور طلبہ اور اساتذہ سے سلام کہنا''۔ خدا کرے کہ آپ کا لگایا ہوا یہ علمی گلشن ہمیشہ سرسبز

اور شاداب رہے۔ اور آپ کے لئے بیش از بیش صدقۂ جاریہ کا سامان فراہم ہوتا رہے۔ آمین۔

(۲) سادگی اور تواضع

حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی کا نہایت نازک پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیوی تکلفات اور تصنع اور بناوٹ سے طبعی طور پر بالکل مستغنی کر دیا تھا۔ آپ کی ہر ہر ادا سے سادگی اور تواضع ٹپکتی تھی، کھانے، پینے، لباس، ضروریات، ہر چیز میں سادگی اختیار فرماتے۔ عام طور پر سفر میں کالی دھاریوں والا معمولی سوتی رومال، کپڑے کا تھیلا جس میں ایک لوٹا، ایک لنگی اور ضرورت ہو تو ایک جوڑا کپڑا، بس یہی چیزیں ساتھ ہوتیں۔ حتی کہ میرے ایک دوست نے جو افریقہ کے سفر میں حضرت قاری صاحب کے ساتھ ممبئی سے جوہانسبرگ گئے تھے بتایا کہ سفر افریقہ میں بھی حضرت قاری صاحبؒ کا کل سامان یہی کپڑے کا تھیلا تھا۔ بمبئی ایئر پورٹ پر الوداع کہنے والے بعض احباب نے بہت زور دیا کہ حضرت کوئی بریف کیس لے لیں۔ لیکن حضرت نے قبول نہیں فرمایا۔ گزشتہ سال احقر نے ایک ٹوپی اور عربی رومال ہدیہ میں پیش کیا۔ تو ٹوپی تو قبول فرمالی مگر رومال دیکھ کر فرمایا کہ ''یہ تو آپ ہی کی شان کے لائق ہے''۔ اور قبول نہیں فرمایا۔ آپ دل سے اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتے اور اپنے چھوٹوں سے بھی انتہائی اکرام اور احترام کا معاملہ فرماتے تھے۔ عام طور پر مقررین اور واعظین اپنے سامنے جلسہ میں کسی دوسرے کی تقریر پسند نہیں کرتے لیکن آپ کا طرز عمل اس کے بالکل برعکس تھا۔ آپ تاکید کر کے اپنے سے قبل کسی دوسرے عالم کی تقریر کراتے اور نہایت غور سے اس کی باتیں سنتے۔ اور پھر عموماً اسی مضمون کو لے کر اپنا وعظ شروع فرما دیتے۔ مراد آباد اور اس کے اطراف میں حضرت قاری صاحبؒ کی تشریف آوری پر کئی پروگراموں میں اپنے وعظ سے قبل اس ناکارہ کو تقریر کا امر فرمایا۔ اور پھر ایک تقریر پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ''آج تم نے وہی باتیں کہہ

دیں جو میں کہنا چاہتا تھا''۔ احقر نے عرض کیا کہ یہ صرف آپ کی توجہ کی برکت ہے۔ واقع
یہ ہے کہ یہ خورد نوازی آپ کے کمال اخلاص اور تواضع کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ زمان
طالب علمی میں احقر کو بار بار دارالعلوم میں حضرت قاری صاحبؒ کی زیارت کا شرف
حاصل ہوا، جب آپ تشریف لاتے تو مشتاقان زیارت کی بھیڑ لگ جاتی، اور آپ جدھر
جاتے طلبہ کا ایک بڑا مجمع آپ کے ساتھ ہوتا۔ کئی مرتبہ طلبہ وغیرہ نے آپ سے دارالعلوم
میں وعظ کی درخواست کی تو آپ نے از راہ تواضع صاف انکار فرمادیا اور کہا کہ ''جس جگ
اکابر نے وعظ کہا ہو وہاں میں وعظ نہیں کہہ سکتا''۔ اسی طرح ۱۹۹۴ء میں جب آپ مدرس
شاہی میں رونق افروز ہوئے اور طلبہ دورۂ حدیث نے تبرکاً ایک سبق پڑھانے کی
درخواست کی تو حضرت نے فرمایا ''جس ادارے میں میں نے درس لیا ہے وہاں درس
دینے کی ہمت نہیں ہے''' اسی بے مثال تواضع کا اثر یہ تھا کہ آپ کا قلب مبارک بغض وکین
کے اثرات سے محفوظ تھا۔ آپ اپنے تمام اکابر و معاصرین سے تعلقات استوار رکھ
اور گروپ بندی سے اپنے آپ کو پوری طرح بچائے رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی
شخصیت جماعتی اور مدارس کے اختلافات سے بلند تر تھی اور آپ کی ذات کو ہر طبقہ میں
یکساں مقبولیت حاصل تھی۔

(۳) کمال زہد

حضرت قاری صاحبؒ کا ایک ممتاز وصف آپ کا بے مثال زہد و استغناء تھا۔ د
آپ کے قدموں میں ذلیل ہو کر آتی تھی لیکن آپ اسے نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے
[illegible] کی اصلاح کا جذبہ ضرور تھا لیکن اُن کی دولت و ثروت سے ذرہ برابر بھی دلچسپی
تھی۔ اسی استغناء نے آپ کو مقبولیت و محبوبیت کی بلندیوں تک پہنچا دیا تھا۔ اور آپ کی
ذات حدیث نبویؐ: (ازہد فی الدنیا یحبک اللہ وازہد فیما ایدی الناس یحبک الناس (ابن
ماجہ ۳۰۲، الترغیب والترہیب ۴/۴۷)۔ (دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ عند اللہ محبوب بن جا

گے اورلوگوں کے مال و دولت سے اعراض کرنے لگو تو لوگوں کی نظر میں محبوب بن جاؤ گے) کی چلتی پھرتی تفسیر بن گئی تھی۔ آپ نے ساری دینی خدمات حسبۃً للہ انجام دیں۔ نہ صرف یہ کہ مدرسہ سے مشاہرہ نہ لیتے بلکہ اسفار میں بھی کرایہ کے علاوہ نذرانے وصول نہ فرماتے۔ اور کہیں کہیں تو اپنا ہی کرایہ خرچ کر کے تشریف لے جاتے۔ تمام مہمانوں کا صرفہ اپنے حساب سے ادا فرماتے۔ مدرسہ پر اس کا بوجھ نہ ڈالتے تھے۔

(۴) عشق نبوی ﷺ

علاوہ ازیں اتباع سنت میں بھی آپ کا قدم بہت راسخ تھا۔ معمولی سی معمولی سنت کی ادائیگی کا بھی نہایت اہتمام فرماتے۔ گزشتہ سال ہم لوگ حاضر تھے۔ رات میں آرام فرمانے سے قبل آپ نے وضو فرمایا۔ پھر ارشاد فرمانے لگے۔ اب اٹھتے بیٹھتے تکلیف ہوتی ہے سوتے وقت وضو کا اہتمام دشوار ہوتا ہے لیکن بعض بزرگوں کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک رات باوضو سونے کے لئے انہیں ۱۴ مرتبہ وضو کرنا پڑا اور ہر مرتبہ پوری بشاشت سے وضو کرتے رہے تاکہ انہیں سنت کے موافق سونا نصیب ہو جائے۔ ایسے بزرگوں کے حالات سے عمل کی ہمت ہو جاتی ہے''۔ آپ ہر عمل میں اتباع سنت کو ہی ملحوظ رکھتے۔ اور اسی نیت سے تمام امور انجام دیتے تھے۔ آپکا معمول تھا کہ جب کوئی عالم آپ سے ملنے تھوڑا حاضر ہوتا تو اس کو طلبہ میں بیان کرنے کا حکم فرماتے۔ ہم چند احباب حاضر ہوئے تو حسب معمول آپ نے تقریر کا پروگرام رکھا۔ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم تو استفادہ کے لئے حاضر ہوئے ہیں، افادہ کے لائق نہیں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ''کیا مہمان کا اکرام سنت نہیں ہے''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق آپ کے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے تھا۔ کبھی کبھی یہ عشقیہ جذبات الفاظ کے پیکر میں ڈھل کر منظوم کلام کی شکل اختیار کر لیتے تو اس کے لفظ لفظ سے آپ کے سوز و گداز اور درد دل کا اظہار ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ بیماری کی حالت میں آپ نے بڑی دردانگیز نعت ارشاد فرمائی جس کے چند بند

درج ذیل ہیں:

دواؤں سے طبیعت رو بصحت ہے نہیں میری
طبیعت مضطرب ہے اب نہیں لگتی کہیں میری
نہیں سمجھا کوئی اس درد کو یہ درد کیسا ہے؟
دواؤں سے شفا ہرگز نہیں ہرگز نہیں میری

علاج اس کا فقط یہ ہے کہ طیبہ ہونگا ہوں میں
دیارِ قدس میں اشکوں سے تر ہو آستیں میری

متاعِ دردِ دل جو مل گئی مشکل سے ملتی ہے
خدا کا فضل ہے، حالت تو ایسی تھی نہیں میری

نہ دن میں چین ملتا ہے نہ شب میں نیند آتی ہے
سکوں باقی نہیں ہے خاطر اندوہگیں میری

وہ نقشہ جم گیا ہے اب تو دل میں ذات اقدس کا
تصور میں وہ رہتے ہیں نگاہیں ہوں کہیں میری

ہوا دیوانہ جب سے آپ کا خلوت میں رہتا ہوں
کسی سے بات کرنے کی کوئی خواہش نہیں میری

آپ کی دیگر نعتیں بھی انہیں جذبات کی آئینہ دار ہیں جن میں سے بعض آپ کی تالیف ''سیرت سید المرسلین'' میں شائع ہو چکی ہیں۔

الغرض انہیں خوبیوں کی وجہ سے خلق خدا آپ کی طرف کھنچی چلی جاتی تھی۔ آپ کی آمد خبر سن کر گاؤں دیہات میں بھی ہزاروں کا مجمع اکٹھا ہو جاتا اور آپ کا سادہ اور تکلف سے خالی وعظ حاضرین پر اس قدر اثر انداز ہوتا کہ بڑی بڑی مرصع تقریروں سے بھی وہ بات حاصل نہیں ہو پاتی۔ آپ کی باتیں ''از دل خیزد بر دل ریزد'' (دل سے نکل کر دل تک

پہنچنے) کا مصداق ہوتی تھیں ۔ یہ آپ کی ظاہر و باطن کی یکسانیت اور علم و عمل میں مطابقت کا اثر تھا جسے ہر شخص محسوس کرتا تھا۔

آج حضرت قاری صاحبؒ کی ذات گرامی گو کہ موجود نہیں مگر آپ کی زندگی کے تابندہ نقوش ہمارے سامنے ہیں۔ ہماری نظر میں حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں سب سے بڑا اخراج عقیدت یہ ہے کہ ہم آپ کی زندگی کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں اور آپ کی بلند پایہ صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ہمارا یہ عزم حضرت کی روح کو خوش کرنے کا ذریعہ بنے گا۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔ اور حضرت مرحوم کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

میرے والد محترم کے مخلص دوست

مولانا صدیق احمد باندوی

عبدالمجید پاریکھ ابن مولانا عبدالکریم پاریکھ، ناگپور

کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْت. ''ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے''۔ اور نحن قدرنا بینکم الموت ومانحن بمسبوقین.

''ہم نے تمہاری تقدیر میں موت لکھدی ہے اور ہم کچھ عاجز وبے بس نہیں ہیں''۔

کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ، ''ہر وہ چیز جو اس کائنات میں ہے فنا ہوجائے گی''۔

اس قسم کی دوسری آیات اور بے شمار احادیث مبارکہ اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ دنیا میں آنے والے ہر انسان کو اس دار فانی میں ایک مقررہ مدت گذار کر دینا سے رخصت ہوجانا ہے اور من جاء بالحسنة فله عشر امثالها ومن جاء بالسيئة فلايجزى الامثلها. ''جو کوئی بھی نیکی لے کر آئے گا اس کو دس گنا اجر ملے گا اور جو کوئی برائی لے کر آیا وہ اسی کے برابر سزا پائے گا''۔ کی روشنی میں ہر شخص کو حسنة (نیکی) سیئة (بدی) کا بدلہ پانے کیلئے رب العالمین کے حضور حاضر ہونا ہے۔ چنانچہ ایک ایسا ہی وقت آیا کہ امت مسلمہ فی الہند کو طویل مدت تک دینی رہنمائی کرنے والے بزرگ عالم ربانی حقانی حضرت مولانا حافظ قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ اللہ کے حضور طلب کر لئے گئے۔

اَلْمَوْتُ جَسَرٌ يُوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ. ''موت ایسا پل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملاتی ہے، کے تحت موت کا پل پار کر کے اپنے رب سے ملاقات کیلئے عالم آخرت میں پہنچ گئے۔

انا لله وانا اليه راجعون.

ہم سب اللہ کے ہیں اور اسی کی طرح پلٹ کر جانے والے ہیں۔

مگر اس امت کیلئے بڑے غور وفکر اور سوچ کا مقام ہے کہ جو بھی عالم ربانی وفات پاتا ہے اس کا بدل اور جانشین ہم کو نہیں مل پاتا۔ راقم السطور اپنی زندگی میں دیکھ رہا ہے کہ جو گیا بس گیا۔ دور دور تک اس کا بدل مجھے نظر نہیں آتا۔ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ، حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحبؒ، حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ، ان بزرگان دین وملت ورہنمایان امت کی وفات سے ایسا خلاء پیدا ہوگیا ہے جس کا پر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔

لیکن بہر حال یہ دیکھ کر کسی قدر اطمینان ہوتا ہے اور دل کو تسلی ہوتی ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے پیچھے اپنے آثار وباقیات چھوڑ گئے ہیں۔ کسی نے لائق وفائق شاگردوں کی جماعت چھوڑی، کسی نے دینی کتابیں تصنیف وتالیف کیں، کسی نے دینی مدرسہ قائم کیا اور ہزاروں طالبانِ علوم دینیہ کیلئے حصولِ علم دین کی راہ ہموار کی۔

اللہ کا شکر واحسان ہے کہ حضرت مولانا حافظ وقاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ اپنے آثار وباقیات صالحات ایک بڑے دینی مدرسہ، تصنیف وتالیب، لائق وفائق شاگرد اور اولاد صالح کی شکل میں چھوڑ گئے ہیں۔ اور ان تینوں سے ہی امت کو خوب خوب فیض پہنچ رہا ہے دعا ہے کہ اللہ رب العالمین اس سلسلہ کو جاری وساری رکھے۔ آمین۔

حضرتِ والاؒ کا پورے ملک میں دورہ ہوتا تھا۔ شاید ہی کوئی شہر اور علاقہ ایسا ہو کہ جہاں آپ تشریف نہ لے گئے ہوں۔ ہر جگہ کامیاب اور بڑے ہی پر ہجوم دینی جلسے ہوتے تھے اور بڑی عقیدت ومحبت سے لوگ ان میں شریک ہوتے اور قیمتی نصائح ومواعظ حسنہ سے مستفید ہوتے۔ ہمارے شہر ناگپور میں بھی متعدد مرتبہ تشریف لائے۔ ناگپور کے محلہ

مومن پورہ میں ایک دینی مدرسہ ''دارالعلوم'' ہے۔ جس کے آپ سرپرست اعلیٰ تھے۔ اسی مدرسہ کے ذمہ داروں کی دعوت پر ناگپور تشریف لائے۔ اس وقت والد محترم مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب بیرونِ ملک کے سفر پر تھے مگر حضرت والا باندویؒ سے ایک خط کے ذریعہ اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا۔ حضرت والا جب ناگپور تشریف لائے تو خط خدمت عالی میں پیش کیا گیا۔ جسے پڑھ کر ہم لوگوں کے ساتھ بڑے ہی شفقت کا معاملہ فرمایا۔ ''مجلس تعلیم القرآن'' کے دفتر میں بھی تشریف لے گئے۔ نیز لکڑگنج میں حضرت والد صاحبؒ کے آفس بھی تشریف لائے۔ تمام چیزوں کا معائنہ فرمایا۔ معمولات ومصروفیات دریافت فرمائے۔ ترجمۂ قرآن مجید اور دیگر تصانیف کو بھی ملاحظہ کئے اور خاص اس جگہ جہاں حضرت والد صاحبؒ بیٹھا کرتے تھے بیٹھ کر دعا فرمائی۔ ہم خدام نے ترجمۂ قرآن مجید اور والد صاحبؒ کی دیگر تصنیفات کا ایک سیٹ ہدیۃً پیش کیا، جسے حضرت مولانا باندویؒ نے شرف قبولیت بخشی۔ آخر میں وہ خط پیش کرتے ہیں۔

حامی سنت، ماحی بدعت، پیر طریقت وشریقت حضرت مولانا حافظ وقاری صدیق احمد صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مدرسہ دارالعلوم مومن پورہ کے ذمہ داروں سے یہ پرمسرت اطلاع ملی کہ حضرت والا ۲۳ر۲۴ر اکتوبر ۱۹۹۲ء کو ہمارے شہر ناگپور تشریف لارہے ہیں، ناگپور آپ کی تشریف آوری میرے لئے اور یہاں کے باشندوں کیلئے بڑی سعادت اور خیروبرکت کی چیز ہے اس پر ہم اللہ کا جتنا بھی شکرادا کریں اور چاہے جتنی بھی مسرت کا اظہار کریں وہ کم ہی ہے، مگر افسوس صد افسوس یہ ہے کہ ایک پیچیدہ صورتحال کی بنا پر جو آج چھ مہینہ سے چل رہی ہے شاید اس وقت میں ناگپور میں موجود نہ رہوں۔

میری ایک رشتہ دار خاتون کراچی میں وفات پاگئی ہیں۔ اور میری اہلیہ کی چھوٹی

بہن کا جواں سال بیٹا کراچی میں راہی سفرِ آخرت ہوگیا ہے، نیز ایک رشتہ دار خاتون جو میری بھانجی ہوتی ہیں وہ چار بچوں کو لیکر میکے میں بیٹھ گئی ہیں۔ اور طلاق تک نوبت آگئی ہے جسے میں نے ابھی روکے رکھا ہے چونکہ یہ سب لوگ رشتہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ دینی اعتبار سے بڑی محبت اور تعلق اس عاجز سے رکھتے ہیں لہذا یہ سب میرے کراچی کے سفر کے منتظر ہیں، میرا وہاں تعزیت اور طلاق کے مسئلہ کو سلجھانے کیلئے نہ جانا ان کی دل شکنی اور نقصان کا سبب بن سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ آپ کی تشریف آوری کو ہمارے شہر ناگپور کیلئے خیر و برکت اور رشد وہدایت کا ذریعہ بنائے اور آپ کے فیوض و برکات اور ارشادات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ میری آپ سے ایک مختصر سی گذارش ہے کہ آپ کا جس علاقہ میں رشد وہدایت سے بھرپور وعظ ہوگا اسی علاقہ میں ''مجلس تعلیم القرآن ناگپور'' کا ایک مقامی دفتر ہے، اگر کوئی عذر نہ ہو اور کوئی امر مانع نہ ہو تو آپ اور حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی اسی دفتر میں قیام فرمائیں اور ''مجلس تعلیم القرآن ناگپور'' کے احباب کو اپنی خدمت کا موقع عنایت فرما کر ذرہ نوازی فرمائیں۔ میں نے اس کی اطلاع دارالعلوم مومن پورہ کے ذمہ داروں کو کردی ہے۔

ویسے ہی اس کی بھرپور کوشش کروں گا کہ کراچی کے معاملات کو جلد از جلد نپٹا کر ناگپور واپس آجاؤں تاکہ آپ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوسکے۔ اللہ رب العالمین چاہیں تو ایسا ہوسکتا ہے۔ **وما ذٰلِکَ عَلَی اللہ بعزیزٍ۔**

☆☆☆

باسمہ تعالیٰ

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ

از۔ مولانا عبدالغنی بلگرام

میں ایک حقیر بے بضاعت انسان ایسی عظیم المرتبت شخصیت پر کیا اور کیسے لکھنے کی جرأت کروں کہ جن کے ہر عمل اور کردار سے اللہ رب العزت اور خلق خدا کیساتھ برملا تعلق اور محبت کا اظہار ہوتا تھا۔

اور اللہ پاک نے آپ کے دل میں اپنے بندوں کی طرف سے جو محبت رکھی تھی اس کا اندازہ ہی نہیں بلکہ سبھی کو اعتراف ہے کہ یہ عوام اور خواص کا آپ کی طرف رجوع پروانہ وار آپکی مرجعیت اور فضل خداوندی کی علامت اور دلیل ہے اور در حقیقت حضرتؒ اس حدیث کا مصداق اور مظہر تھے جس میں فرمایا گیا "من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ"۔ جس نے اللہ کیلئے تواضع اختیار کی اللہ نے اسے بلندی عطا فرمائی۔ مشکل سے مشکل حالات میں بھی حضرت والا کی تواضع جو عوام کیساتھ دیکھی وہ یقیناً قابل رشک اور انکا ہی حصہ تھی۔

سمدھن مدرسہ کے جلسہ میں آپ تشریف لائے شرکاءِ جلسہ بار بار مصافحہ کررہے تھے کچھ وقف کے بعد آپ رفع حاجت کیلئے چلے مجمع آپ کے پیچھے چلا مولانا خالد صاحب نے مجمع سے ناراضگی کا سختی سے اظہار کیا حضرت والاؒ نے مولانا خالد کو نرم گوئی کی تلقین فرمائی اور سختی سے منع کیا۔

سفر و حضر میں حضرت والا کو کبھی بیکار اور وقت ضائع ہوتے نہیں دیکھا بلکہ درس

وتدریس وعظ ونصیحت، تصنیف وتالیف، تلاوت کلام پاک اور ذکر الٰہی جیسے مبارک اعمال خیر ہی میں مشغول پایا جس کا اثر یقیناً یہ تھا کہ اللہ پاک نے آپ سے محبت فرما کر جبرئیل امین کو محبت کرنیکا حکم دیکر جبرئیل امین کے ذریعہ آسمان والوں کو محبت کرنیکا حکم دیا اور روئے زمین پر آپ کیلئے قبولیت رکھ دی گئی جس کو عوام وخواص سب نے دیکھا اور تسلیم کیا مذکورہ مختصر سا یہ مضمون برادرم ڈاکٹر طٰہٰ فاروقی کے حکم پر لکھ دیا ورنہ کہاں میں اور کہاں حضرت والا کی ذات بابرکت اللہ قبول فرمائے۔ آمین۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں سادگی ہی کو اختیار فرمایا تکلفات سے بہت دور درس وتدریس کے مشاغل کا یہ عالم کہ کھانا کھانے کیلئے بھی وقت فارغ نہ فرما سکے بلکہ سبق پڑھاتے ہوئے کھانا بھی نوش فرماتے دیکھا۔

ایسا بھی ہوا کہ کسی مریض کی تیمارداری کیلئے آپ باندہ میں ہیں باندہ سے نو میل سڑک پر تشریف لائے طلباء مدرسہ سے آگئے آپ نے سبق پڑھایا اور پھر مریض کی وجہ سے باندہ واپس تشریف لے گئے۔ حضرت والا کی یہ وہ خصوصیات ہیں جن پر عمل کرنے والوں کی زیارت کیلئے آنکھیں ترستی ہیں۔

کاش کہ اللہ پاک حضرت والا کی صفات محمودہ سے کچھ حصہ ہم جیسوں کو بھی عطا فرمائے۔ خوبیوں کے اعتبار سے اس شعر کے مصداق تھے۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا این جاست

☆☆☆

حبیب الامت حضرت قاری صدیق احمد باندویؒ

مولانا طارق شفیق ندوی

جنرل سکریٹری

آل انڈیا ملی کونسل مشرقی اتر پردیش

موبائل نمبر:09935993688

راقم الحروف کو تقدیری طور پر ہندوستان کے تمام مکاتب فکر کی مشہور وممتاز دینی، علمی، ملی، سماجی اور روحانی شخصیات سے بالمشافہ ملاقات، ان کے مزاج ومذاق اور عادات وخصوصیات سے واقفیت کے ایسے ذرائع اور مواقع میسر آئے جو ہم عصروں اور ہم عمروں میں بہت کم کو نصیب ہوئے لیکن بعض خاص عوامل واسباب کی وجہ سے اللہ کے تین مقرب اور انتہائی محبوب ومقبول بندوں سے بے حد متاثر ہوا اور ان کے حسن سفات وکمالات اور فیوض وبرکات سے مستفید ہوا جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت وحفاظت اور اسلام کی نشر واشاعت کے لئے منتخب فرمایا تھا اور جنہیں عالمگیر شہرت عطا کی تھی۔

ان میں پہلی شخصیت داعی جلیل مصلح کبیر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی تھی جو میرے والد ماجد حضرت مولانا شفیق الرحمٰن ندویؒ استاد ادب وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مشفق استاد اور پیرومرشد تھے جن کی تجویز وترغیب پر والد ماجدؒ نے اپنی شہرۃ

آفاق کتاب "الفقه المیسر" کو ترتیب دیا اور دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اسے اپنے نصاب میں شامل کیا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے راقم کا تعارف اور عقیدت مندانہ ربط و تعلق کی مدت کم وبیش ۲۵ سال سے متجاوز ہے۔ یہ ایک علم دوست اور انسان دوست بزرگ تھے اور ان سے اللہ تعالیٰ نے عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح کے سلسلہ میں بڑا کام لیا اور ان کی خدمات کا اعتراف یکساں طور پر عرب وعجم نے کیا۔ یقیناً ان کی دعوت وتبلیغ کے معجزانہ اسلوب اور اسلامی نظریات کی ترتیب وتشریح نیز تصنیف وتالیف کے گرانقدر کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔

دوسری شخصیت قاضی دین وشریعت، ہادیٔ قوم وملت، داعی اتحاد واخوت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی تھی جو اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، دبستان تھے، کاروان دین وشریعت کے پاسبان تھے۔ جن کے اندر ملت کے لئے خیر خواہانہ تڑپ اور اس کے وقار وتحفظ کے لئے قائدانہ اضطراب پایا جاتا تھا جن کی مساعی جمیلہ اور شب وروز کی مخلصانہ جدوجہد کے نتیجہ میں مسلمانانِ ہند میں بیداری آئی، اتحاد وترقی اور سیاسی وقار کی بحالی کی راہ ہموار ہوئی۔ راقم کو طالب علمی کے زمانہ ہی سے ان کی شفقت حاصل تھی پھر جب انہوں نے 1992ء میں آل انڈیا ملی کونسل کی بنیاد ڈالی تو کم وبیش دس سال تک ان کے ساتھ کام کرنے کی قابل فخر سعادت بھی حاصل ہوئی۔ یقیناً ان کی تقریر سے شل ہوتے ہوئے بازوؤں میں خون کی روانی دوڑ جاتی تھی اور آرزوؤں اور امیدوں کو نئی زندگی ملتی تھی۔ اسی طرح ان کی تحریر سے فکر وشعور میں حرکت وتوانائی پیدا ہوتی تھی اور ذہن وضمیر کو اطمینان وآسودگی ملتی تھی۔

مینھ تو بوچھار کا دیکھا ہے برستے تم نے
اسی انداز سے تھی اشک فشانی اس کی

تیسری شخصیت متبحر عالم دین، صدیق زماں اور حبیب الامت حضرت قاری

صدیق احمد باندویؒ کی تھی جن کی زندگی جہد مسلسل اور عمل پیہم سے عبارت تھی۔ سنت نبویؐ کی عملی تفسیر اور صحابہ کرامؓ کی جیتی جاگتی اور منھ بولتی تصویر تھی۔ میرے والد ماجدؒ ہمیشہ ان کے خلوص وللّٰہیت اور زاہدانہ ومجاہدانہ زندگی کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ خود حضرت باندویؒ بھی ایک خاص تعلق رکھتے تھے چنانچہ جب والد ماجدؒ کی نادر ونایاب کی کتاب ''الفقہ المیسر'' منظر عام پر آئی تو حلقہ واریت کی زنجیر کو توڑتے ہوئے محض کتاب کی اہمیت وافادیت اور عصری معنویت کا لحاظ کرتے ہوئے سب سے پہلے اپنے درس نظامی کے مدرسہ میں داخل نصاب کیا۔ اسی طرح 1986 میں میرے یہاں ''مدرسہ ریاضیہ شمس العلوم نوتن'' کی سنگ بنیاد رکھ کر علاقہ سے اپنی ہمدردی اور تعلق کا بین ثبوت دیا۔

عالم باعمل، صوفی باصفا، عارف باللہ حضرت قاری صدیق احمد باندویؒ میرے استاذ تھے۔ 1986ء میں تقریباً ۲۰؍روز مدرسہ جامعہ عربیہ ہتورا باندہ میں قیام تھا اسی زمانہ میں حضرتؒ سے تفسیر جلالین کا کچھ حصہ اور مولانا عبید اللہ اسعدی مدظلہ العالی سے ہدایہ کے کچھ اسباق پڑھے تھے اس دوران حضرت باندویؒ نے مجھ ناچیز کے ساتھ بڑا اکرم اور شفقت کا معاملہ فرمایا تھا جس کے لئے ناچیز نے اپنی زبان کو ہمیشہ رطب اللسان پایا۔ پہلے تو تین دن حضرتؒ نے اپنا مہمان خاص بنایا اس کے بعد میرے قیام کے لئے جس کمرہ کا انتخاب فرمایا وہ مدرسہ کا سب سے روشن، ہوادار اور ہر لحاظ سے ایک عمدہ کمرہ تھا اس کے مکین خوش اخلاق، خوش لباس اور خوش خوراک تھے میرے خیال سے انہوں نے راقم کے مزاج ومذاق کو بھانپ لیا تھا یا تصوف کی زبان میں ان کو کشف ہو گیا تھا۔ بہر حال دو تین روز کے بعد کمرے میں تشریف لائے اور فرمایا کہ معاف کیجئے کا آپ کے ساتھ بڑی زیادتی ہوگئی، خیال ہی نہ رہا کہ آپ بہار کے رہنے والے ہیں۔ آپ کو مسلسل دونوں وقت روٹی کھانے کی زحمت اٹھانی پڑ رہی ہے۔ کل سے انشاء اللہ دوپہر میں میرے گھر سے چاول آجایا کرے گا۔ اللہ اکبر! شرمندگی سے سر جھک گیا اور میں وہیں گڑ گیا۔ اس کے بعد حضرت

نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ تعلیم سے فراغت کے بعد معقولات کی بعض کتابیں پڑھنے کیلئے حضرت مولانا جمیل احمد سیوانیؒ کی خدمت میں مظفر پور بہار گیا تھا لیکن وہاں کی آب وہوا راس نہ آئی۔ وہاں کھانے میں چاول ہی چاول ہوتے تھے اور میں اس کا عادی نہ تھا لہذا میری طبیعت خراب ہوگئی، پیٹ پھول گیا اور میں وہاں سے جلد واپس آ گیا۔

مدرسہ کے اسی زمانہ قیام میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ ایک استاذ نے ایک طالب علم کی شکایت کی اور اس کے اخراج پر مصر نظر آئے۔ حضرت نے فرمایا کہ اللہ کے بندے وہ اتنے اچھے ماحول میں صرف تین وقت کی نماز پڑھتا ہے تو اس بات کی ضمانت کون لے گا کہ یہاں سے جانے کے بعد وہ تین وقت کا بھی نمازی رہیگا؟ جایئے حکمت سے کام لیجئے اللہ آپ کو صبر کا اجر دے گا۔ بچے یہاں اصلاح کیلئے آتے ہیں اگر ہم ہی مایوس ہو جائیں گے تو پھر ان کی اصلاح کہاں ہوگی اور کون کرے گا؟ یقین مانئے یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس نے میرے سوچنے کا انداز بدل دیا اور میں نے اسے گرہ میں باندھ لیا کمیوں اور خامیوں کے باوجود میری ساری ہمدردی طلباء کے ساتھ ہوتی اور میں ان کی وکالت کرتا جس سے بعض ساتھی اساتذہ ناراض ہوتے لیکن جب ان کا غصہ کافور ہوتا وہ ہمارے ہم خیال ہوتے۔ میاں صاحب اسلامیہ انٹر کالج گورکھپور کے استاذ جناب ندیم اللہ عباسی لکچرر کامرس کے پاس کئی ایک طالب علم کو داخلہ کے لئے لے کر گیا اور انہوں نے اس طالب علم کو دیکھتے ہی کہا کہ خدا کیلئے اس کی سفارش مت کیجئے گا، میں انکار کرونگا اور آپ کو تکلیف ہوگی۔ میں خاموش وہاں سے لوٹ آتا پھر دوبارہ کسی عنوان سے جاتا اور داخلہ کے لئے ان کو راضی کر لیتا اور وہ کچھ دنوں کے بعد یوں رپورٹ لگاتے کہ مولانا! کیا پھونک کر بھیجتے ہو، اور کیسی کونسلنگ کرتے ہوئے کہ وہ بچہ پڑھنے میں سب سے اچھا، اخلاق و کردار میں سب سے نمایاں اور آہستہ آہستہ مجھ سے قریب بلکہ میرا محبوب شاگرد بن جاتا ہے۔

ایک پتھر کی بھی تقدیر سنور سکتی ہے
شرط یہ ہے کہ سلیقہ سے تراشا جائے

اسی زمانہ قیام میں حضرت باندویؒ کے تینوں صاحبزادوں سے ملاقات ہوئی۔ الحمدللہ تینوں حافظ وقاری اور عالم دین ہیں۔ عصر سے مغرب تک تالاب کے کنارے ان کے ساتھ نشست ہوتی، پر تکلف باتیں ہوتیں۔ چٹکی لینے میں کسی طرح کی کوئی رعایت نہ ہوتی۔ مولوی سید حبیب احمد خاموش مزاج اور سلیم الطبع واقع ہوئے ہیں زیادہ تر علمی شگوفوں اور ادبی لطیفوں سے محظوظ ہوتے۔ مولوی سید نجیب احمد ذہین، خوش گفتار وخوش مزاج چٹکی لینے میں اوّل درجہ کے ماہر۔ بات سے بات پیدا کرنے میں استاد، خوب ہنستے اور خوب ہنساتے۔ مولوی سید حبیب احمد نفیس ولطیف اور حساس طبیعت کے مالک، سجے سنورے رہتے۔ کپڑوں پر شکن پڑنے نہیں دیتے۔ ململ کی لکھنوی دوپلی ٹوپی لگاتے اور ٹوپیوں کو کڑی رکھنے کے لئے کمرے میں الگ سے کھوٹیاں نصب کر رکھی تھیں۔ حضرت باندویؒ کے داماد مولوی سید فرید احمد ندویؒ میرے درس کے ساتھی اور والد ماجدؒ کے خاص شاگرد ہیں۔ زمانہ طالب علمی کا بیشتر حصہ ساتھ ہی گذرا۔ 1989ء میں ان کی شادی میں بھی بطور خاص شریک ہوا اور ان کے ساتھ ان کے بڑے ہم زلف جناب عتیق احمد لکچرر انجینئر نگ کالج رائے بریلی کے دولت کدہ پر بھی جانا ہوا اور چھوٹے ہم زلف حافظ وقاری مولوی عبدالرزاق باندوی جنہوں نے ندوہ سے حفظ کیا۔ گاہے بگاہے کے ملاقاتی اور کرکٹ کے ساتھی رہے شادی کے بعد بھی ملاقاتیں رہیں۔ اس طرح حضرت باندویؒ سے اور ان کے صاحبزادوں، رشتہ داروں اور دیگر متعلقین سے گزرتے زمانہ کے ساتھ حددرجہ محبت واپنائیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور حضرتؒ کی فکرورجحان، طریقۂ اصلاح عوام وخواص، خلوص وللّٰہیت، جذبہ صادق، فدائیت وفنائیت سے متاثر ہوتا چلا گیا۔ حضرت باندویؒ کا دل ایمان ویقین سے لبریز اور دماغ شوق فراواں سے بھرپور تھا۔ اعلیٰ درجہ کا

ں وقناعت، تواضع وخاکساری، غرباء پروری ومہمان نوازی اور ملت وافراد امت کے
ایثاروقربانی، صوفیائے کرام سے ہمدردی وخیر خواہی علمائے عظام اور مشائخ وقت کے
فدا کاری وجاں نثاری کا غیر معمولی جذبہ تھا۔ یقیناً انہوں نے دینی، علمی، سماجی واصلاحی
پر ایسے نقوش چھوڑے ہیں جو ہمیشہ یاد رکھیں جائیں گے۔

قاصر مرا قلم ہے تو عاجز مری زباں
ممکن کہاں کہ وصف ترا کرسکوں بیاں

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کی ولادت ۱۱؍شوال المکرم ۱۳۴۱ھ
بق ۱۹۲۳ء کو آبائی وطن ہتورا ضلع باندہ اتر پردیش میں ہوئی۔ ہتورا ضلع باندہ میں
ات کی ایک چھوٹی سی بستی ہے جو شہر سے تقریباً ۱۸؍کلومیٹر کے فاصلہ پر جانب مشرق
ہے۔ یہاں کے لوگوں کا سلسلۂ نسب قاضی سید محمد داؤد کے واسطہ سے امام زین
بدین سے جاملتا ہے۔

حضرت باندویؒ کے والد ماجدؒ کا نام سید احمد تھا جو صرف ۳۵؍سال کی عمر میں دنیا
رخصت ہو گئے اور پھر چند ماہ کے اندر ان کی دونوں بیٹیاں بھی یکے بعد دیگرے اللہ
پیاری ہو گئیں۔ حضرت باندویؒ اپنے والد کے اکلوتے اور کم سن وارث تھے۔ شفیق دادا
ی عبدالرحمٰن نے پرورش وپرداخت کی ذمہ داری نبھائی لیکن چند ہی سال بعد دادا جیسے
ں نثار سرپرست ومربی کے سایۂ عاطفت سے بھی محروم ہو گئے۔ یہ وقت بہت کٹھن
وار تھا۔ انتہائی آزمائش ومشکلات کی گھڑی میں اللہ نے غیب سے مدد فرمائی اور ان کے
وں مولانا امین الدینؒ نے ان کی تعلیم اور کفالت کی سرپرستی قبول فرمائی اور اپنے پاس
کر حفظ مکمل کرایا۔ عربی، فارسی کی چند کتابیں بھی پڑھائیں اس کے بعد کانپور کے مدرسہ
میل العلوم میں داخلہ کرایا بعدہ مدرسہ جامع العلوم پٹکا پور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد
ض تعلیم دو سال پانی پت میں بھی قیام رہا۔ پھر وہاں سے مشہور ومعروف مدرسہ مظاہر

علوم سہارنپور میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ۱۰ ر شوال المکرم ۱۳۵۸ھ میں داخلہ لیا
اس وقت ان کی عمر سترہ اٹھارہ برس کی تھی۔ زندگی کے نشیب وفراز، اپنوں اور غیروں سے
کھٹے میٹھے تجربات سے اچھی واقفیت ہوچکی تھی۔ گھریلو تنگی اور خاندانی تہی دامنی کا خوب
خوب علم تھا دادی صاحبہ چراغ میں تیل نہ ہونے کے سبب چاند کی روشنی میں چرخہ کاتا کرتی
تھیں تو والدہ صاحبہ دو پیسے میں اپنے ہاتھ سے لوگوں کے کرتے سیا کرتی تھیں انہیں یہ بھی
اچھی طرح یاد تھا کہ کانپور جاتے وقت ماں نے زادراہ کے طور پر اپنی بھیگیں پلکوں کے ہمراہ
اپنی دعائیں اور چند سوکھی روٹیاں دیں تھیں اور دادی جان تو ہاتھ ملتیں اور گھورتی رہ گئی
تھیں۔ لہذا روشن مستقبل اور زندگی کے مراحل طے کرنے کے لئے سرمایہ کے نام پر جو کچھ
تھا وہ خدا کی ذات پر یقین وتوکل اور اپنی محنت وریاضت پر بھروسہ اور مکمل اعتماد
تھا۔ یکسو ہو کر تعلیم اور صرف تعلیم پر توجہ دی، خوب محنت کی، رات دن کتابوں میں غرق رہے
اور اساتذہ کی خدمت میں پیش پیش رہے۔ اپنی ذہانت ولیاقت، سمجھداری وسلیقہ مندی
کے سبب حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ رامپوریؒ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے خادم
خاص قرار پائے۔ آگے چل کر یہی قربت بیعت میں اور بیعت خلافت میں تبدیل ہوگئی
۳۱ ر اکتوبر ۱۹۵۶ء کو بیعت وتلقین کی اجازت مل گئی۔ عوام کی بڑی تعداد حضرت باندویؒ کی
خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرنے لگی۔ دن ہو کہ رات آنے والوں کا سلسلہ جاری
رہتا جس میں عوام کے علاوہ علماء، مفکرین، مصنفین، واعظین، محدثین، متعلقین، شعراء
ادباء، صوفیا، اتقیاء سب ہی شامل تھے۔ اپنی اپنی صلاحیت اور ضرورت کے مطابق استفادہ
کرتے، روحانی امراض سے شفایاب ہوتے۔ اس طرح بہت جلد حضرت باندویؒ کا شمار
علماء ربانیین اور سلف الصالحین میں ہونے لگا اور انہیں حبیب الامت کہہ کر پکارا جانے لگا۔

حضرت باندویؒ نے اپنی تدریسی خدمات کا آغاز مدرسہ فرقانیہ گونڈہ سے کیا لیکن
صرف چھ ماہ بعد والدہ کی بیماری، وطن کی دوری اور علاقہ میں دینی، علمی اور اصلاحی کام

نے کے جذبۂ خالص کے نتیجہ میں گونڈہ سے مستعفی ہوکر مدرسہ اسلامیہ فتح پور سے
ستہ ہوگئے تنخواہ انتہائی قلیل تھی غالباً ۲۶ روپئے ماہوار تھی۔ والدہ کی خبر گیری، اہلیہ کی تیمار
ی کے سبب اکثر مقروض رہتے۔ حالات کی جانکاری اور ذاتی مشاہدے کے بعد مولانا
الوحید فتح پوری نے خیر خواہانہ انداز میں ٹیوشن پڑھانے کی تجویز رکھی جسے سخت ناپسند
یا۔ فرمایا ٹیوشن پڑھانے سے اہل علم کی اہانت اور دین کی بڑی ناقدری ہوتی ہے۔ ٹیوشن
ھانا نہ اپنے لئے پسند کرتا ہوں اور نہ دوسرے اہل علم کیلئے مناسب سمجھتا ہوں۔

مدرسہ اسلامیہ فتح پور میں تدریسی خدمات کا تیسرا سال تھا کہ باندہ اور اس کے
اف ونواح میں شدھی نام کی ایک تحریک اٹھی جس کی ظلم وزیادتی اور حالات کی مجبوری
بے بسی کے سبب کچھ لوگ اسلام سے مرتد ہوگئے اور ہندو مذہب کو اختیار کرلیا یہ خبر جلی
خیوں میں اخبار میں شائع ہوئی حضرت باندویؒ نے جب اس خبر کو پڑھا تو تڑپ اٹھے
ان کے دل نے ان کو سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تم سے یہ نہ پوچھے گا کہ بخاری
یف پڑھائی تھی یا نہیں لیکن اگر کہیں یہ سوال کرلیا کہ تمہارے علاقہ میں لوگ مرتد
رہے تھے اور تم کتابوں کے پڑھانے میں لگے ہوئے تھے تو کیا جواب دوگے بس اس
ال اور محاسبہ کے ڈر سے مدرسہ کو اپنا استعفیٰ پیش کردیا اور سب سے پہلے ان لوگوں سے
قات کی جو مرتد ہوگئے تھے الحمدللہ محنت رنگ لائی۔ جذبہ صادق تھا لوگوں کو حضرتؒ کی
ت سمجھ میں آئی اور وہ دوبارہ کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

اس کے بعد تو حضرتؒ نے اپنے علاقہ میں تبلیغ دین کے لئے کمر کس لیا اب وہ تبلیغی
صلاحی دورے کرتے۔ گاؤں گاؤں جاتے، مکتب قائم کرتے۔ قرآن کا درس دیتے۔
یک سے ملتے، دل کی بات کہتے، اپنے کاموں میں شریک کرتے۔ چند مخلص ملے،
ت بندھی، چاہا کہ ایک مرکزی دینی ادارہ قائم کریں اپنوں اور غیروں نے امیدیں
ئیں، لیکن افسوس صد افسوس گفتار کے غازی کردار کے غازی بن نہ سکے۔ ولولے پست

ہوئے، ہمتیں جواب دینے لگیں، اپنی بے بسی پر رونا آیا، ہر در کو چھوڑ دیا، رب کے آستانے
پر سر ٹیک دیا، گڑ گڑایا، اپنی کم مائیگی کا واسطہ دیا، غیب سے آواز آئی، اپنی بستی سے آغاز کر
نیت کرلی، گھر کی چوپال میں بنیاد ڈال دی، ایک شاگرد مولانا اشتیاق احمد ایک ا
حضرت باندویؒ سے مدرسہ کا آغاز ہوگیا طلباء کی تعداد بڑھی تو گھر کو دارالاقامہ بنا د
بچوں کی نگراں والدہ محترمہ بن گئیں۔ سردی کے موسم میں چھوٹے بچے بستر پر پیشاب
کردیتے تو خوش دلی سے بستر دھوتیں، بچوں کو نہلاتیں، ان کے کپڑے صاف کرتیں
کی ضرورت پڑی تو گھر کا کچن مطبخ بن گیا اور اہلیہ طباخہ بن گئیں۔ والدہ ماجدہ اور شر
حیات دونوں مل کر ۳۰، ۳۵ لڑکوں کا کھانا پکاتیں۔ طلباء کے کچے دارالاقامہ کی مرمت،
پوتنے کا کام بھی کرتیں۔ اللہ اکبر! کیا گھرانہ تھا اور کیا اللہ کی نیک بندیاں تھیں؟ بے ش
اللہ ان کے حسنات اور درجات کو بلند فرمائے گا اور اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے گا۔

آج وہی بستی جہاں تمدن کی کوئی سہولت نہ تھی محض ایک دینی مدرسہ کے قیام کی
سے بقعۂ نور بنی ہوئی ہے دنیا بھر کے طالبان علوم نبوت یہاں آتے ہیں اور اپنی علمی پیا
بجھاتے ہیں۔ رشد وہدایت کا یہ عظیم مرکز ہے اور توحید خالص کا ایک بلند منارہ ہے۔ ج
سے پوری دنیا روشنی حاصل کررہی ہے اور علم کے جویا اور دین کے شیدائی سیراب ہور
ہیں۔ بیشک اس کی حفاظت وترقی کی ذمہ داری امت کے ہر فرد پر عائد ہوتی ہے۔

سلامت رہے تیرا میخانہ اے ساقی

پیکر صدق وصفا، خوگر صبر ورضا، عالم ربانی وروحانی حضرت قاری صدیق ا
باندویؒ کم وبیش ۷۳ ؍ برس رشد وہدایت، علم وصداقت کے بعد امانت ودیانت اور
واشاعت دین کا فریضہ انجام دینے کے بعد دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ان کو شدید بر
ہیمبرج ہوا اور لکھنؤ کے سحر نر سنگ ہوسم میں ۲۸ ؍ اگست ۱۹۹۷ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔ ملک
وبیرون ملک میں کہرام مچ گیا، نہ جانے کتنی محفلیں سونی اور کتنے میکدے ویران ہوگئے

نجم الثاقب کے ڈوب جانے سے کتنے دل ٹوٹ گئے اور کتنے بازو شل ہو گئے، بکھرا بکھرا ہر شخص یہی دہائی دے رہا تھا کہ اب کس سے روشنی اور رہنمائی حاصل کی جائے گی؟ ساقی سے محرومی پر ماتمی ماحول تھا، آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور مستقبل کی فکر ستا رہی تھی کہ اب کون جامِ شریعت پلائے گا اور کون شراباً طہورا کی امید دلائے گا؟ بے کس و بے سہارا آہ و بکا کر رہے تھے، چیخیں مار رہے تھے کہ اب ہم غریبوں کے غم کا مداوا کون کرے گا؟ ہمارے زخموں پر مرہم کون رکھے گا؟ ہماری مسیحائی کا فریضہ کون انجام دے گا؟ اب تعویذ کے ذریعہ اللہ کے دین کی طرف متوجہ کون کرے گا؟ ہر چیز کو فنا ہو جانا ہے باقی رہے گا اللہ کا نام۔ اور وہی ہم سب کا حامی و مددگار ہے۔

ساقی بزم اُٹھ گیا ہے سونا پڑا ہے میکدہ
پینے کو پی رہا ہوں میں، پہلی سی بے خودی نہیں

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

میرے شیخ میرے مربی

از۔ مولانا سعید احمد، جاجمؤ کانپور

مجھے یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ برادر مکرم جناب ڈاکٹر طٰہٰ فاروقی مدظلہ العالی (صدیق مائۃ حاضرہ) شیخ طریقت، مسیح الامت، عامل شریعت، عالم باعمل، عارف باللہ، حضرت قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ کی حیات وخدمات کے تذکرے پر مشتمل اکابر علماء کرام کے قلم کے تراشے جمع کر رہے ہیں اور اُسے کتابی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے جا رہے ہیں۔ مجھ بے نام وگمنام سے بھی انہوں نے باصرار حکم دیا اور بار ہا حکم دیا کہ تم بھی چند سطور تحریر کرو تو بادل ناخواستہ یہ چند سطور تحریر کر رہا ہوں۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس کتاب سے امت مسلمہ کو بیش از بیش نفع پہنچائے اور ڈاکٹر طٰہٰ فاروقی مدظلہ کو بے شمار اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

مولانا صدیق احمد باندویؒ، بلند ہمتی، ارادہ کی پختگی، سیلاب کی رو کی طرح روانی، جہد مسلسل ویقین محکم، معمولات کی پابندی عبادت میں انہماک، قیام اللیل کا اہتمام، مہمان نوازی، خوردہ پروری کا نام ہے۔ انہیں سستی، تھکاوٹ، گراوٹ، ٹھہراؤ اور پڑاؤ، اکتاہٹ وہچکچاہٹ نام کی بھی نہ تھی۔ یہی ان کی عظمت کا راز اور ان کی عزت وعقیدت کی محوری وجہ تھی۔ آپ میں خاکساری وفروتنی، اخلاص وللّٰہیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی انہیں اوصاف حمیدہ واخلاق عظیمہ کی وجہ سے آپ کو عند الناس جو غیر معمولی عظمت وعقیدت، محبوبیت ومقبولیت میسر ہوئی وہ آپ کے دور میں بڑے بڑوں کو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوسکا۔ یوں تو آپ گوناگوں اور متنوع صفات عالیہ کے مالک تھے لیکن چند اوصاف

آپ میں ایسے تھے جو آپ کے دور میں دور دور تک کسی میں نظر نہیں آتے۔

آپ کا تورع وتقویٰ، وخوف وخشیت:۔ آپ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ اور آپ کی حیات طیبہ کے جس گوشے پر بھی نگاہ دوڑائی جائے آپ اس میں کامل ومکمل نظر آتے ہیں۔ چاہے معاملات ہوں یا معاشرت، عبادت ہو یا ریاضت، موافقت ہو یا مخالفت، اجتماعیت ہو یا انفرادیت، عزت کے مواقع ہوں یا ذلت کے کبھی بھی کسی بھی حال میں تقویٰ وتورع کا دامن نہیں چھوڑتے اور خشیت وخوف الٰہی آپ کے تال سے حال سے گفتار سے کردار سے چال سے ڈھال سے اور ہر نشست وبرخاست سے چھلکتی وجھلکتی نظر آتی تھی۔

آپ سیکڑوں مدارس کے سرپرست اور پچاسوں مدرسوں کے کلی یا جزوی طور پر ذمہ دار تھے لیکن مدرسہ کے ایک پیسہ بھی اپنے یا اپنے اہل خانہ پر صرف کرنے کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اور کبھی بھی کسی مدرسہ کے جلسہ میں شرکت کے بعد اہل مدرسہ کے اصرار کے باوجود زاد سفر واجبی وواقعی خرچ سے زیادہ نہیں لیتے بلکہ واجبی خرچ لینے میں بھی انتہائی شرمندگی محسوس کرتے تھے۔ حتی الامکان جلسوں کے موقع پر مدرسہ کے کھانے سے پرہیز کرتے اور کسی نہ کسی بہانے سے اس سے بچنے کی پوری کوشش کرتے خود راقم الحروف کو متعدد مواقع پر اس کا تجربہ ہوا۔

واقعہ (۱) ناچیز ایک موقع پر حضرت والا کیساتھ تھا، کانپور کا مشہور ہندوانہ محلّہ نیا بازار اور اسکی تنگ وپتلی پتلی گلیاں، اس میں حضرت والا بے تکلف تیزی کے ساتھ اس طرح چل رہے تھے جیسے پہلے سے یہ راستے آپ کو معلوم ہوں ناچیز نے عرض کیا حضرت! آپ تو یہاں ایسے چل رہے ہیں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بار ہا یہاں سے گزرے ہوں تو فرمایا ’’سعید‘‘ آج لوگوں کو صدیق کا نام معلوم ہوگیا ہے ورنہ میں ہر ہفتہ باندہ سے یہاں آتا تھا اور کپڑے خرید کر اپنے سر پر رکھ کر اسٹیشن جاتا اور باندہ میں اس کو فروخت کر کے گھر

کا خرچ چلاتا تھا۔

واقعہ (۲) راقم الحروف کے گاؤں کولا چھابر، ضلع دیوریا میں مدرسہ قاسم العلوم کے جلسہ دستار بندی میں راقم الحروف کے ہی اصرار پر حضرت والا نے شرکت فرمائی، ذمہ داران مدرسہ نے ہر قسم کے کھانے کا نظم کیا تھا لیکن تقویٰ وتورع کے اس پیکر مجسم نے اس موقع پر مدرسہ کے کھانے سے بچنے کی ترکیب نکالی وہ قابل شنید وتقلید ہے۔ ناچیز سے فرمایا کہ ''سعید'' تمہارا تو یہاں گھر ہے ہمیں کھچڑی کھانے کا جی چاہ رہا ہے اپنے گھر سے پکوا دو تو کھالوں گا، اس وقت گھر پر صرف بوڑھی والدہ تھیں میں نے والدہ محترمہ سے درخواست کی تو انہوں نے خوشی خوشی کھچڑی پکادی حضرت والا کھچڑی تناول فرماتے جارہے تھے اور کہتے جاتے بہت عمدہ پکی ہے، پکانے والا کا اخلاص اس میں شامل ہے۔

واقعہ (۳) حضرت والا ایک مرتبہ کانپور تشریف لائے اور ناچیز سے فرمایا چلو میرے ساتھ، ناچیز اپنی سعادت سمجھ کر فوراً تیار ہوگیا اور عرض کیا کہ حضرت تھوڑی دیر ٹھہر جایئے کچھ ناشتہ راستے کیلئے تیار کرالوں فرمایا رات کی بچی ہوئی روٹیاں اور اچار رکھ لو میں نے وہی باسی روٹیاں اور اچار رکھ لئے، آپ سیدھے اسٹیشن تشریف لائے اور رانچی بہار جانے والی ٹرین پر سوار ہوگئے تقریباً ۲۰ رگھنٹے سفر کے بعد رانچی پہنچے۔ وہاں رات کو ایک مدرسہ میں خطاب فرمایا اور مدرسہ والوں کے اصرار کے باوجود کچھ بھی تناول نہیں فرمایا،

پھر آخر شب میں تہجد کے بعد دوسرے مدرسہ کیلئے روانہ ہوگئے وہاں دس بجے دن میں پہنچے اور وہاں بھی خطاب فرمایا۔ پھر ساڑھے گیارہ بجے تیسرے مدرسہ میں تشریف لے گئے اور وہاں بھی خطاب فرمایا اور ہر جگہ کھانے اور ناشتے کیلئے لوگ اصرار فرماتے رہے لیکن کہیں بھی ایک لقمہ بھی تناول نہیں فرمایا اور ہر جگہ فرماتے رہے کہ کھانے کو جی نہیں چاہ رہا ہے۔ تیسری جگہ کے بعد واپسی تھی وہاں سے ریلوے اسٹیشن تقریباً دو کلومیٹر دور تھا، جب بذریعہ کار ریلوے اسٹیشن کیلئے روانہ ہوئے تو راقم الحروف سے فرمایا ''سعید'' بھوک

بہت لگ رہی ہے راستے میں کہیں گنا وغیرہ ملے تو لے لو وہی چوس لیں گے تھوڑی دور چلنے کے بعد ایک دیہاتی بازار سے ہمارا گزر ہوا جہاں سبزیاں بک رہی تھیں فرمایا گاڑی روکو اورنا چیز سے فرمایا جو بھی چیز کھانے کے لائق ملے لے آؤ نا چیز اتر کر مٹر کی پھلی اور مولی لے آیا تو اس پاک طینت نے مٹر کی پھلیاں اور کچی مولیوں سے اپنے پیٹ کی آگ بجھائی مگر مدرسوں کے کھانے سے کلی اجتناب کیا۔

''خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را''

التعظیم لامر اللّٰہ:. حضرت والا اوامر اللہ اور سنت رسول اللہؐ کے بے پناہ عاشق تھے اور خلوت وجلوت ، حضر وسفر لیل ونہار ، گرمی ورسردی ، خوشی وغمی ، غصہ ونرمی ، اجتماعی وانفرادی ، ہر حال میں حکم الٰہی اور سنت نبویؐ پر سختی سے کاربند رہتے ۔ حضرت والا دانشوروں ، روشن خیالوں اور دین سے بیزار حلقوں میں بھی گئے لیکن اپنی بے نیازی ، حق گوئی و بیباکی کی وجہ سے کبھی بھی کہیں بھی مرعوب نہیں ہوئے اور اپنی دینداری اصول پسندی اور اپنے ضمیر کے خلاف کبھی کوئی سودا نہیں کیا اور بڑے سے بڑے عہدہ ومنصب کو ٹھکرا دیا اور نہ کبھی کسی مالدار دنیادار سے بکے اور نہ اس کے سامنے جھکے ۔ امر الٰہی اور سنت نبویؐ کے خلاف کوئی کام دیکھتے تو اس وقت آپ کا غصہ قابل دید ہوتا ، آواز میں کرختگی اور چہرہ پر غصہ کی سرخی فوراً نمایاں ہو جاتی لیکن تھوڑی ہی دیر میں یہ غصہ وگرمی کافور بھی ہو جاتا گویا

''بطئ الغضب وسریع الزوال'' کے کلی مصداق تھے۔

الشفقة علیٰ خلق اللّٰہ:. یوں تو ہر آدمی شفقت کا مظاہرہ کرتا ہے اور اس صفت سے متصف ہونے کی کوشش کرتا ہے لیکن عام طور سے یہ شفقتیں نفسانی ہوتی ہیں اور کسی نہ کسی تعلق کی بنیاد پر ہوتی ہیں ۔ باپ بچوں پر شفیق ہوتا ہے لیکن باپ ہونے کی وجہ سے ، ماں بھی شفیق ہوتی ہے لیکن ماں ہونے کی وجہ سے ، لیکن اللہ کی مخلوق پر مہربان ہونا مخلوق الٰہی ہونے کی بنا پر یہ ہر ایک کی بس کی بات نہیں لیکن حضرت والاؒ اپنوں وغیروں ،

مریدوں وشاگردوں، مسلموں وغیر مسلموں میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے بلکہ ہر شخص یہی محسوس کرتا کہ حضرت والا کی شفقت ومحبت ہم پر سب سے زیادہ ہے۔

خیر الناس من ینفع الناس: . لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے، جو لوگوں کو نفع پہنچاتا رہے۔ آپ اس وصف میں اپنے دور کے تمام علماء وصلحاء مصلحین ومرشدین خطباء ومقررین اکابر وعمائدین میں ممتاز تھے آپ کے در پر عوام وخواص، علماء وطلباء، مسلم وغیر مسلم، احباب کا جم غفیر ہر وقت موجود ہوتا اور ہر شخص اپنی اپنی ظرف کے مطابق اکتساب فیض کرتا اور حضرت والاؒ ہر ایک کی خبر گیری وخیر خواہی اور بہتری وبھلائی میں ہمہ تن مصروف رہتے۔ چاہے دینی ہو یا دنیاوی، مالی ہو یا اخلاقی، سماجی ہو یا سیاسی، علمی ہو یا عملی، بدنی ہو یا روحی، ایک ایک فرد کی فکر کرتے اور سب کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے فکر مند رہتے بلکہ کبھی کبھی کسی کی ایک ضرورت کیلئے راتوں رات میلوں سفر کرتے اور اپنی راحت وآرام کو دوسروں کی نفع رسانی کیلئے قربان کردیتے، نہ سواری کی فکر، نہ کھا۔ [illegible] سونے کی خواہش، نہ آرام کی چاہت بلکہ جس وقت جیسی بھی سواری ملتی ہے بے تکلف بیٹھ جاتے، کبھی سائیکل پر تو کبھی بائک پر، کبھی ٹرک پر تو کبھی پسنجر ٹرین پر اور جو کچھ رو[illegible]ن سوکھی، تازی یا باسی روٹیاں میسر ہوتیں اس پر قناعت کرلیا کرتے بطور سالن کبھی سرکہ، کبھی پیاز، کبھی گڑ تو کبھی مولیاں استعمال فرمالیتے، نہ مرغ مسلم کی خواہش نہ پوریوں وکچوریوں کی طلب، سفر میں نہ بیگ، نہ اٹیچی، نہ طرح طرح کے لوازمات بلکہ صرف اور صرف ایک کھلا ہوا جھولا ہوتا جس میں ایک دو جوڑے کپڑے ایک لنگی اور لوٹا ومسواک ہوتا اور اسی حال میں کبھی ممبئی تو کبھی پونا، کبھی مدراس، تو کبھی کولکاتہ، کبھی دہلی تو کبھی سہارنپور ہوتے۔ رات کہیں اور تو دن کہیں اور صبح کہیں اور تو شام کہیں اور، بلکہ صحابہ کرامؓ کا جو وصف حدیث پاک میں آتا ہے کہ "اقلهم تكلفاً" سب سے کم تکلف کرنے والے" وہ جھلک اس دور قحط الرجال میں حضرت والاؒ کی ذات عالی میں ہمیں دیکھنے کو ملتی۔ اور یہ سارے اسفار اور اس کی ساری

حیرانیاں و پریشانی صرف لوگوں کے نفع رسانی کیلئے خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے، آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے''۔

العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیا لم یورثوا دینارا ولا درهما وانما ورثوا العلم ۔ علماء ربانی ہی انبیاء کے سچے وارث ہوتے ہیں، لیکن انبیاء کرام علیہم السلام مال وزر درہم ودینار کا وارث نہیں بناتے۔ بلکہ علم الٰہی کا وارث بناتے ہیں''۔ اگر ہم اس صفت پر طائرانہ نظر ڈالیں تو حضرت والاؒ کی پوری زندگی از مہد تا لحد'' اس کی بین ثبوت ہے، خواہ دور طالبعلمی ہو یا تدریسی، بچپن ہو یا عنفوان شباب، کہولت ہو یا شیخوخت، ہر وقت و ہر دور میں اپنے کو زیور علم وعمل سے آراستہ و پیراستہ کرنے کی فکر دامن گیر تھی اور خود کو اور پورے علاقے اور صوبہ کو بلکہ پوری دنیا کو علم وعمل کے زیور سے مزین کرنے کی لگن و کڑھن ہر وقت رہتی تھی، اسی کڑھن کا نتیجہ ہے کہ آپ نے سیکڑوں مسجدوں کی بنیاد رکھی اور اس کو آباد کرایا اور سیکڑوں مکاتب ومدارس کی داغ بیل ڈالی اور اس کی ہر طرح کی سرپرستی فرمائی۔

اس ہندوستان میں شاہی خزانے سے تاج محل اور لال قلعہ بنانا تو آسان تھا مگر بندیل کھنڈ کے ایک بے آب وگیاہ علاقہ اور ضلالت وگمراہی کے قلب میں خس پوش مدرسہ کی شکل سے ایک زبردست دینی، علمی وروحانی قلعہ کا تعمیر اور اس کو معمور و آباد کرنا ہر ایک کی بس کی بات نہیں تھی بلکہ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء کا پورا پورا مظاہرہ ہے اور حضرت والاؒ کی یہ کھلی ہوئی کرامت اور سب سے بڑی علمی وراثت ہے۔

اللہ پاک ہم سب کی طرف سے حضرت والاؒ کو بے شمار اجر جزیل عطا فرمائے اور ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے جملہ اہل بیت کو خاص طور سے صاحبزادگان ذی احترام کو ہر شر وفتن سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ ☆☆

حضرت مولانا صدیق احمد باندویؒ ولی کامل تھے

مفتی عبدالرزاق خان

صدر جمعیۃ علماء مدھیہ پردیش

حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ بانی جامعہ اسلامیہ ہتورا ضلع باندہ ہندوستان میں اپنے زمانے کی واحد شخصیت گزر گئی جن کو جو کچھ کہو کم ہے۔ قطب، غوث ولی گذر گئے ولی کی پہچان شریعت میں جس کو دیکھ کر اللہ یاد آئے لوگ ولی اس کو کہتے ہیں جو ہوا میں اڑے پانی پر چلے یہ دنیا والے بھی کرتے ہیں اللہ کا ولی وہ ہے جو نبی کا وارث ہو العلماء ورثة الانبياء حضورؐ نے فرمایا علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل ۔ بنی اسرائیل میں ایک ہی وقت میں کئی کئی نبی گزرے جو اپنے علاقے اصلاح اور تبلیغ کی خدمت کرتے دعوت الی اللہ ان کا مشغلہ ہوتا تھا اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس میں ایک ہی وقت میں ہزاروں علماء پیدا فرمائے جنہوں نے مدرسہ کی بنیاد ڈالی تبلیغی اصلاحی سلسلہ شروع کیا جن کی وجہ سے ہزاروں علماء اور اولیاء پیدا ہوئے حضرت والا کا مدرسہ نمونہ ہے وہاں طلبہ آج بھی انبیاء کے نمونہ ہیں اور وہاں کے اساتذہ اور فارغین طلبہ مختلف ملازمتوں میں انبیاء کرام کے طریقہ پر چل کر اصلاح کر رہے ہیں۔ میں حضرت سے قدیمی تعلق رکھنے والا ہوں حضرت جیسی سادگی اور محبت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے اخلاق کریمانہ عوام کی خدمت کا جذبہ طلبہ اور علماء کی محبت غیر مسلموں سے تعلق کی وجہ سے غیر مسلم بھی معتقد ہوئے ڈاکو دیکھ کر چیخ اٹھتے تھے۔ بابا ہیں بابا مشہور واقعہ ہے ڈاکو اندھے ہو گئے حضرت کی دعا سے

بینائی لوٹی اپنے اور غیر سب سے تعلق اور محبت رکھتے تھے۔وضع داری کا یہ حال تھا کہ ہرایک سے ملنے جاتے تھے بھوپال تشریف لاتے تعلق والوں کے یہاں جاتے اور ملاقات کر کے دعا دیتے یہ حدیث شریف کے نمونہ تھے ''من تواضع للہ رفعہ اللہ'' جواللہ کیلئے تواضع کرتا ہے اللہ اس کو اٹھاتا اور اس کے مرتبہ بلند ہوتے جاتے ہیں ہنر کے چشمے اللہ جاری کر دیتے تھے چشم بند، گوش بند، لب بند اگر یہ نہیں سر صدائیں پختہ۔حضرت مولانا صدیق صاحب کی کرامتیں مشہور ہیں جس کی وجہ سے پورے علاقہ کے مسلمان اور غیر مسلم معتقد ہو گئے تھے اور سب عزت اور عظمت کی نظر سے دیکھتے اور دعا کی درخواست کرتے ہیں لوگ اپنی حاجت کیلئے ہندو مسلمان جوق در جوق آتے تھے کھانے کا انتظام ٹھہرنے کا انتظام ان کی فریاد سنتے ان کے لئے دعا فرماتے اللہ والوں کی اللہ لاج رکھتا جس کے لئے ہاتھ اٹھاتے بیڑا پار ہو گیا سیکڑوں مسلم اور غیر مسلم آپ سے محبت کرتے تھے اور دعا کی درخواست کرتے تھے اللہ آپ کی دعا قبول کرتا تھا لوگوں کا کام اور تمنائیں پوری ہو جاتی تھیں جس کی وجہ لوگوں کی عقیدت اور محبت بڑھتی گئی ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔حضرت مولانا صدیقؒ صاحب ایک ولی کامل اور غوث قطب الابدال سب کچھ تھے۔واللہ اعلی بالصواب۔

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کے

رهنما خطوط

مفتی اقبال احمد قاسمی

ناظم مدرسہ مظہر العلوم، کانپور

مرشد عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ دور حاضر میں مرجع خلائق تھے، عوام وخواص اپنی دین ودنیا سے متعلق اپنی رہنمائی ورہبری، سکون وروشنی، حفاظت وترقی کے لئے صلاح ومشورہ اور اصلاح وحل کے لئے زبانی وتحریری ہرطرح رجوع کرتے تھے، حضرت والاؒ ہرایک کو مخلصانہ وناصحانہ مشورہ دے کر اس کی زندگی سنوارتے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ضرورتمندوں، بیماروں، پریشان حالوں، مقدمات میں ماخوذ، بے اولادوالوں، بے نکاحوں، مظلوموں، اختلافات سے دوچار اہل مدارس، اہل تحریکات وتنظیمات، سیاسی حضرات اور مریدین ودیگر مستفیدین کے یومیہ کئی درجن خطوط برائے جواب آتے تھے۔ تنہا ان سب کا جواب لکھنا، مہمانوں کے ہجوم، اسفار کی کثرت، تدریسی وتصنیفی، تنظیمی وتعمیری مشاغل کیساتھ بڑی دقت طلب، بلکہ ناممکن سی بات تھی، اس لئے حضرت والاؒ سب کے لئے دعاء فرماتے، اسفار کے دوران خطوط کا انبار آپ کے ساتھ ہوتا، موقع بموقع جوابات لکھتے لکھواتے جاتے، اگر دوچار دن خطوط کے جوابات نہ لکھے جاتے تو سیکڑوں خطوط کا ڈھیر جمع ہوجاتا، اس لئے حضرت والاؒ عموماً صرف اصلاحی ومشورہ وتاریخ سے متعلق خطوط اپنے قلم سے ہی لکھنے کا اہتمام فرماتے، باقی خطوط کے جوابات کا کام اپنے شاگرد وخاص خدام سے لیتے تھے۔ حضرتؒ کے مکاتیب کا مجموعہ برادر معظم مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی مدظلہ العالی کی ترتیب سے

اء اللہ عنقریب شائع ہوگا۔ ذیل میں چند اہم وہ خطوط جو حضرتؒ کے قلم سے احقر کے نام

اور گویا وہ امانت ہیں۔

بغرض افادہ خطوط پر عنوانات کا اضافہ کر کے ہدیہ ناظرین ہیں۔

طلباء کیلئے اہم نصیحتیں:۔ ۱۴۰۸ھ میں احقر نے جلالین شریف کی جماعت تک

وڑا میں تعلیم مکمل کی بعدہ مشورہ سے دیوبند آ گیا۔ حضرت والاؒ سے تحریری طور پر رابطہ

کا، حضرت سے نصیحتیں طلب کیں۔ حضرت کا گرامی نامہ آیا۔

عزیز اقبال سلمہ............السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ اپنا ماحول بنالیں۔ چند ہم خیال لڑکوں کو لے کر تکرار کر لیا کریں۔ اوابین کا

لام کریں ہلکی آواز سے پڑھا کریں۔ تکرار نودرہ میں کریں، وہاں کی برکات ہی کچھ اور

ں۔ ہر شخص کو اپنے سے بہتر تصور کریں۔ تمام اساتذہ کا احترام کریں، جن سے مناسبت

ان کے پاس وقت نکال کر کچھ دیر کیلئے چلے جایا کریں۔ میرے لئے دعا کرتے رہیں۔

والسلام

البِ علم کیلئے زہر:۔ احقر دارالعلوم دیوبند میں شعبۂ مناظرہ کا ناظم

یواری پرچہ ''المناظرہ'' کا ایڈیٹر طے ہوگیا تھا، اس پر حضرت والاؒ سے اطلاع کے بعد

قتفاضہ کیا۔ حضرتؒ کا جواب آیا:

''پڑھنے کے علاوہ کسی اور چیز میں نہ لگنا۔ تم کسی طرح یہ عہدہ قبول نہ کرو۔ یہ

لب علم کیلئے زہر ہے، یہ پڑھنے کے بعد کی چیزیں ہیں''۔

یطانی وسوسہ:۔ احقر نے اپنی بدعملی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے لکھا کہ غور

رنے سے اتباع ہویٰ، نفس کا تسلط، اخلاص کا فقدان اور شہرت کی طلب وغیرہ محسوس

تی ہے، فکر ہے، تعلیم کے دوران رخصت لے کر صحبت میں رہنا چاہتا ہوں۔ اس

حضرت والا نے ارقام فرمایا:

''ابھی ایک ہفتہ کا وقت نکال لیجئے، فراغت کے بعد کچھ دیر تک قیام کر لیجئے۔ اس
قسم کے شبہات دل میں لانے سے پست ہمتی پیدا ہوتی ہے، یہ سب شیطانی وسوسے ہیں
جو پریشان کرنے کے لئے دل میں ڈالتا رہتا ہے''۔

صالحین سے ربط رکھئے:۔ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کے بعد ہتھوڑ
اور حضرت والاؒ کی صحبت چھوٹ جانے کا قلق تھا، اسی کا اظہار حضرتؒ سے کیا تھا۔ حضرت
نے جواباً تحریر فرمایا:

''وہاں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے، کسی کے پاس جاتے رہئے، وہاں یہاں سے
زیادہ برکات ہیں''۔

سبق نہ بدلئے:۔ دیوبند میں دیگر علمی وفنی اسباق کے ساتھ ایک بار ایک سبق
عربی تمرین کا احقر سے متعلق ہوا، تو احقر کو عربی کی مشق نہ ہونے کی وجہ سے تردد تھا
اور خیال تھا کہ یہ سبق دوسرے استاذ کے حوالہ کر دے۔ استفسار پر حضرتؒ کا جواب آیا:

''یہ ایسا اہم سبق نہیں ہے، آپ توجہ کریں گے، تو انشاء اللہ آسان ہو جائے گا۔ ایسا
نہ کیجئے (سبق نہ بدلئے) مطالعہ میں کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو دریافت کر لیا کیجئے۔

(اس خط کے بعد واقعی سبق پانی ہو گیا اور عربی تمرین میں سبق کے علاوہ دیگر
جماعت کے طلبہ نے خارج سے بھی استفادہ کیا۔ (**فالحمدللہ**)

ذکر جس طرح ہوسکے کیجئے:۔ ذکر میں پابندی نہ ہونے، اکثر
تسبیحات کئی وقتوں میں پوری نہ ہونے کی شکایت لکھی۔ حضرتؒ کا حکم آیا کہ:

''ذکر پابندی سے کیجئے، وقت کی تعیین ضروری نہیں، جس طرح ہوسکے کر لیا
کیجئے۔ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیجئے۔ دعا کر رہا ہوں''۔

اختلاط کے نقصانات:۔ ہتھوڑا میں ذکر واذکار، تہجد وتلاوت کا اہتمام تھا،
دوسری جگہ اس کا ماحول نہ تھا۔ دوسروں کے درمیان رہنے سے نیک اعمال سب رفتہ رفتہ

ت ہونے لگے۔اس کی اطلاع حضرتؒ کو کی۔ حضرتؒ نے نصیحت فرمائی کہ:

''آپ اپنے کام میں لگے رہئے، جب کسی سے اختلاط نہ ہوگا، تو اس کا اثر بھی آپ کے اندر نہ آئے گا۔ کانٹوں سے دامن کو بچایا جاتا ہے تو بچ جاتا''۔

زیادہ تصور وتفکر بھی نقصان دہ:۔ نیک لوگوں کے خیال وتصور سے ان کی قدر کا جذبہ اور اپنی بدحالی پر بہت رونے کی عادت ہوگئی تھی، فکر میں ڈوب جاتا تھا، یہ بھی خیال آتا تھا کہ ہماری تگ ودو میں اخلاص نہیں ہے، غیر مقبول اور بیکار ہیں۔ حضرت نے یوں اصلاح فرمائی کہ:

''تصورات میں زیادہ نہ پڑا کیجئے، کبھی اس سے نقصان ہو جاتا ہے، یہ وہم ہے اس کی طرف التفات نہ کیجئے''۔

ایک دوسرے والا نامہ میں حضرتؒ نے یوں حوصلہ افزائی فرمائی:

''یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ (اخلاص اور مزاج میں استقلال وسلامت روی) مفقود ہے، معلوم نہیں آپ کے یہاں استقلال کس چیز کا نام ہے، مجھے تو آپ کے راس کی کمی بھی تک معلوم نہیں ہوئی''۔

آئندہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں:۔ احقر نے فراغت کے سال آئندہ کے مشغلہ اور معاش وغیرہ کے لئے پریشانی کا اظہار کیا تھا۔ حضرتؒ کا واضح جواب تھا کہ ''آئندہ کا حال خدا کے حوالے کیجئے، جو بہتر صورت ہوگی اللہ پاک اس کا انتظام فرمادیں گے''۔

ایک دوسرے خط کے جواب میں حضرتؒ نے تحریر فرمایا تھا کہ:

''جب ذہن میں مختلف چیزیں آئیں گی تو اس میں بے چینی ضرور ہوگی۔ یکسو ہو کر کام کیجئے اور خدا کے فیصلہ پر راضی رہئے''۔

نیک بننے اور گناہوں سے بچنے کا نسخہ:۔ احقر نے خط

لکھا کہ حضرت والاؒ کے مکتوب گرامی سے تسلی ہوئی، جلاء ملی۔ چونکہ حضرتؒ کی تحریر سے ہر طرح کی روشنی ورہنمائی ملی ہے، اس لئے احقر پھر زحمت دے رہا ہے۔ (۲) معاصی سے احتراز اور اعمال صالحہ کی طرف رغبت کے لئے کیا چیز موثر ہوگی؟ احقر کے لئے کوئی طریقہ ارشاد فرمائیں۔ (۳) ذکر وغیرہ بغیر کسی قید کمیت وکیفیت اور وقت کے کبھی کبھی کرپاتا ہوں۔ (۴) نفس کا غلبہ ہے، کسی بھی معمول پر مداومت نہیں ہوپاتی، پھر بالکل ترک ہوجاتا ہے۔ (۵) آج کل غیبت کے مرض میں ایسا مبتلا ہے کہ گناہ ہونا بھی ذہن میں نہیں آتا۔ (٦) امتحان قریب ہے، کامیابی کیلئے دعا وتوجہ کی سخت احتیاج ہے۔ انشاء اللہ اس امتحان سے فراغت کے بعد تھوڑا حاضری ہوگی۔ (۷) احقر استاذ وشیخ کے آداب سے بھی بے بہرہ ہے۔ علماً قلماً حالاً قالاً جو گستاخیاں ہوں، معاف فرمائیں۔

حضرتؒ کے جوابات کو خط سے منطبق کرتے ملاحظہ فرمائیں۔ (۱) کیا مضائقہ ہے (۲) صالحین کے واقعات اور میسر ہو، تو ان کی صحبت اختیار کیجئے (۳) جو بھی وقت مل جائے، غنیمت ہے ابھی تو آپ کتابوں میں محنت کیجئے (۴) ''اندریں رہ می تراش ومی خراش'' لگے رہئے، انشاء اللہ نفس پر غلبہ حاصل ہوگا (۵) اس پر جو وعیدیں آئی ہیں اسکا استحضار رہے، اجتناب آسان ہے۔ (٦) دعاء کررہا ہوں (۷) آپ کو اس کا وہم کیوں ہوتا ہے؟

اگر تہجد نہ پڑھ سکے:۔ ایک خط میں احقر نے لکھا کہ تہجد بالکل ادا نہیں ہوپاتی۔ حضرتؒ نے اس پر حاشیہ لکھا کہ: ''عشاء کے بعد سونے سے پہلے کچھ نوافل پڑھ لیا کیجئے''۔

جاہل کمیٹی کا احترام:۔ احقر نے لکھ کر دریافت کیا مدرسہ (مظہر العلوم کانپور) کی انتظامیہ سب غیر عالم ودنیادار حضرات پر مشتمل ہے، کمیٹی کے حضرات کا ادب ولحاظ کرتا ہوں، لوگ اس کو چاپلوسی اور بے غیرتی پر محمول کرتے ہیں، کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟

حضرتؒ نے جواباً تحریر فرمایا کہ:

''آپ سنت کے مطابق عمل کریں، لوگ کچھ کہا کریں۔ نرمی، تواضع اور انکساری

صفات محمودہ ہیں، اللہ کو پسند ہیں، آپ ان صفات کو اختیار کیجئے۔ لوگ کچھ کہیں۔ ان سے بھی کہہ دیجئے کہ یہ صفات تو آپ حضرات کو بھی اختیار کرنی چاہئے''۔

تعلیم وتقریر پر نذرانہ:۔ احقر نے دریافت کیا کہ بلا معاوضہ تعلیم وتقریر کا اہتمام ہے، لیکن لوگ بعض دفعہ دے دیتے ہیں، اس پر حضرتؒ نے لکھا کہ:

''اگر خوشی سے لوگ دیں، تو لینے میں کوئی حرج نہیں''۔

تدریس کے ساتھ تجارت:۔ احقر کے تحریری استفسار پر کہ خارج اوقات میں تجارت یا معیشت کا خیال ہو رہا ہے، بشرطیکہ حضرتؒ کی اجازت ومنشاء ہو۔ حضرتؒ نے اس پر تحریر فرمایا کہ:

''اجازت ہے، لیکن اپنے علمی مشغلے میں اس کا اثر نہ جائے''۔

(چونکہ احقر کے لئے تجارت تعلیمی وتدریسی وافتاء کے لئے نقصان دہ تھی، اس لئے اس کا خیال حسب مشورہ ترک کر دیا)

شہرت کے طریقوں سے بچئے:۔ احقر نے لکھا کہ غور کرنے سے ایک خرابی خاص طور سے اپنے اندر محسوس کرتا ہوں کہ اکثر نیتوں میں فتور محسوس کرتا ہوں، کبھی اپنی حیثیت وشخصیت ابھارنے کا خیال شامل معلوم ہوتا ہے، پھر تصحیح نیت کا خیال لاتا ہوں، غرضیکہ اس میں نفس کی کش مکس رہتی ہے اور یہ تکبر وعجب کی شاخ معلوم ہوتی ہے۔ حضرتؒ کے جواب سے اطمینان ہوا کہ:

''اگر یہ صرف خیال کے درجہ میں ہے، تو اس سے نقصان نہیں۔ اگر ایسے اسباب اختیار کئے جاتے ہوں، جس سے شہرت ہو تو اس سے احتراز کیجئے۔ اگر کام کی وجہ سے شہرت ہو رہی ہے اور شہرت کی نیت نہیں ہے تو اس میں بھی کچھ نقصان نہیں۔ دعا کر رہا ہوں اللہ پاک ہمیشہ اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

انمٹ نقوش

مولانا اشہد رشیدی

مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

تقریباً پچیس سال قبل حضرت والد صاحب مرحوم کے ہمراہ لکھنؤ، کانپور جانا ہوا، وہ میری طالب علمی کا ابتدائی دور تھا، اصحاب فضل وکمال سے ملنے اور علماء کی زیارت کا شوق جنون کی حد کو پہنچا ہوا تھا، کانپور کے قیام کے دوران عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نوراللہ مرقدہ کا تذکرہ لوگوں کی زبانی سنا، تو دل میں ملاقات کا جذبہ پیدا ہوا، والد صاحب علیہ الرحمہ سے درخواست کی کہ باندہ تشریف لے چلیں، تاکہ حضرت قاری صاحب سے ملاقات بھی ہوجائے اور مدرسہ بھی دیکھ لیں، ایسا محسوس ہوا کہ والد صاحبؒ خود بھی زیارت کا اشتیاق رکھتے تھے، اسی لئے فوراً تیار ہوگئے اور پھر چند دیگر احباب کے ساتھ باندہ کا سفر ہوا۔ ہتھوڑا پہنچے تو دوپہر کا وقت ہورہا تھا، اس زمانہ میں برادرِ اکبر مولانا اخلد رشیدی صاحب وہیں زیر تعلیم تھے، جب گاڑی مدرسہ کے گیٹ میں داخل ہوئی تو سامنے کھڑے ہوئے ایک نورانی چہرہ پر نظر پڑی، جو درحقیقت والد صاحب مرحوم

کے استقبال کیلئے گیٹ پر تشریف فرما تھے، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہی حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی ہیں، یہ میری حضرت موصوف سے پہلی ملاقات تھی، قاری صاحب بڑی محبت اور انکساری کے ساتھ پیش آئے، مہمان نوازی کا حق ادا کر دیا۔ اگلے دن ہمارے ساتھ ہی کانپور تک تشریف لائے، ہتھوڑا اور پھر باندہ سے نکلتے ہوئے مسلمان کیا، ہندو کیا، ہر شخص گاڑی میں ان کو دیکھ کر لپکتا، کوئی مصافحہ کرتا، کوئی پیر چھوتا، کوئی سر پر ہاتھ رکھواتا، دوکان دار آگے بڑھتے اور یہ اصرار کرتے کہ حضرت ان کی دوکان کی کوئی چیز قبول فرمالیں، مولانا موصوف کبھی انکار کر دیتے اور کبھی ہم لوگوں کی رعایت میں کوئی چیز قبول کر کے ہماری طرف بڑھا دیتے۔ خلق خدا کی اس مرجعیت کو دیکھ کر حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب علیہ الرحمہ کی دین داری اور خدا ترسی کے جو نقوش دل میں پیدا ہوئے تھے، وہ ابھی تک جوں کے توں زندۂ جاوید ہیں، مرور زمانہ کے باوجود ان کی یاد برابر ستاتی رہتی ہے۔

اس کے بعد متعدد ملاقاتیں حضرت والا مرحوم سے ہوئیں، مرادآباد، لکھنؤ، ہتھوڑا اور حرمین شریفین میں کئی بار زیارت کا شرف حاصل ہوا اور ہر بار ان کے اندر پہلے سے زیادہ جاذبیت اور کشش محسوس ہوئی۔ مولانا موصوف کے قریب رہنے والوں نے بہت کچھ محسوس کیا ہوگا، مگر میں نے خاص طور پر ان کے اندر تین ایسی خصوصیات پائیں جو قابل تقلید ہیں، اور نئی نسل کے لئے کامیابی کا زینہ ہیں۔

(۱) تواضع وانکساری:۔ حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کے رگ وریشہ میں انکساری بھری ہوئی تھی، ان کے ہر انداز سے تواضع کا پتہ چلتا تھا، اٹھنے بیٹھنے، ملنے جلنے، بولنے چالنے اور کھانے پینے ہر چیز میں سادگی، فروتنی اور تواضع کا عنصر نمایاں تھا، جس نے ان کو مرجع خلائق بنا دیا تھا، انہیں نہ کسی دیہاتی سے گفتگو کرنے میں کوئی تکلف ہوتا اور نہ کسی چھوٹے بے حیثیت انسان کے گھر جانے میں کوئی عار محسوس ہوتی، گویا وہ خلق

خدا کو اپنے سے بہتر اور اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتے تھے اسی وجہ سے اللہ نے ان
برتری اور رفعت عطا فرمائی تھی۔

(۲) **جذبۂ خیر خواہی**:۔ امتِ محمدیہ کے لئے کسی کے دل میں خیر
خواہی کا جذبہ پیدا ہو جانا یہ اس کے مقبول عنداللہ ہونے کی دلیل ہے، حضرت قاری
صدیق صاحب علیہ الرحمہ کے دل میں اللہ نے خیر خواہی کے جذبہ کو کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا
یہی وجہ تھی کہ انہوں نے شہر کو چھوڑا، آرام وراحت کو چھوڑا، ملازمت کو خیر آباد کہا اور اپنے
علاقہ کے مسلمانوں کی دینی حالت پر ترس کھاتے ہوئے گاؤں دیہات کی خاک چھانے
میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے جب یہ محسوس کیا کہ باندہ اور اس کے اطراف کے گاؤں
دیہات میں مسلمان خرافات و بدعات ہی میں مبتلا نہیں ہے، بلکہ ارتداد کی طرف چل پڑے
ہے، تو آپ نے حوصلہ اور ہمت سے کام لیتے ہوئے اس علاقہ کو اپنی محنت کا مرکز بنانے
ارادہ کیا اور اپنے استاذ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے
مشورہ کر کے کام شروع کیا، صعوبتیں برداشت کیں، تکلیفیں جھیلیں، لیکن امت کو راہ
راست پر لانے میں لگے رہے اور ان کی اصلاح کی مختلف تدابیر اختیار فرماتے رہے
بالآخر اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی اور اس کوردہ علاقہ میں ایک ایسا ادارہ وجود میں آگیا
کہ جس کی روشنی سے پورا خطہ جگمگا اٹھا۔ امت کے لئے تڑپنا، اس کو آخرت کی بربادی سے
بچانے کی کوشش کرنا اور اس کو راہِ حق پر گامزن کرنے کیلئے مشکلات کو جھیلنا خاصانِ خدا ہی
کا کام ہے، جس میں حضرت قاری صدیق احمد علیہ الرحمہ امتیازی شان رکھتے تھے۔

(۳) **مجاہدہ وریاضت**:۔ دشواریوں کو برداشت کرنا اور ناگفتہ بہ
حالات کا سامنا کرنے کے باوجود اپنی جدوجہد کو جاری رکھنا اور ہرگز کسی موقع پر پیچھے نہ ہٹنا
اسی شخص کا کام ہے جس کو تائید غیبی حاصل ہو اور خدا کی طرف سے اس کو کسی کام پر مامور کیا
گیا ہو، حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کی زندگی مجاہدات سے بھری پڑی ہے، نہ رہنے کا

کوئی ٹھکانہ تھا اور نہ کھانے پینے کا کوئی معمول، اسی طرح نہ سفر کا کوئی معقول ذریعہ تھا اور نہ آرام وراحت کا کوئی بندوبست، کچھ چھپر نما گھر، روٹی چٹنی اور دال وغیرہ سے پیٹ بھر لیتے اور کام میں مصروف ہو جاتے۔ دورانِ سفر ٹرک، بس، ٹریکٹر، موٹر سائیکل اور سائیکل، جو چیز بھی دستیاب ہوئی اس پر سفر فرمالیا کرتے اور قاری صاحب موصوف کو پیدل چلنے میں بھی کوئی کلفت نہ ہوتی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس گئے گزرے علاقہ میں حضرت قاری صدیق علیہ الرحمہ کے بے پناہ مجاہدے کی بنیاد پر ہی اسلام کی بجھتی ہوئی شمع پھر سے روشن ہوئی، بدعات وخرافات کا قلع قمع ہوا اور ارتداد کا سدباب ہوا، اللہ رب العزت حضرت موصوف کے حسنات اور ان کے اعمال صالحہ کو بطورِ صدقہ جاریہ کے قبول فرمائے، نیز نئی نسل کو ان کے نقوش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اخیر میں جناب ڈاکٹر محمد طٰہٰ فاروقی صاحب کا بھی مشکور ہوں کہ موصوف نے بزرگانِ دین کے حالات وواقعات کو قلم بند کرنے کا مبارک سلسلہ شروع فرما کر امت کو راہِ ہدایت پر گامزن ہونے کا بہترین موقع عطا کیا، اللہ رب العزت موصوف کی اس جدوجہد کو قبول فرمائے اور جزائے خیر سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

باسمہ تعالیٰ

مولانا محمد یوسف صاحب، گجرات

صدیق مکرم جناب ڈاکٹر طہٰ صاحب زید لطفکم وعنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ نانا پر لکھی ہوئی زیر نظر کتاب ''سید عبدالرب صوفیؔ شخصیت اور شاعری'' موصول ہوئی میرے لئے تو یہ کتاب نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھی کیونکہ عرصہ سے دل میں یہ بات رہ رہ کر آتی تھی کہ نانا جیسی عبقری شخصیت پر کوئی کتاب جو اُن کی سوانح کے طور پر ہونا چاہئے تھی اگرچہ کلام صوفی کے نام سے حضرت والد محترم مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا کلام مرتب کیا تھا جس سے کسی حد تک ان کے تعارف کیلئے یہ کلام باذوق اور شاعرانہ ذوق رکھنے والوں کیلئے ایک عظیم تحفہ تھا تاہم اُن کی شخصیت پر کوئی تعارفی کتاب کی اہم ضرورت محسوس ہورہی تھی الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

اللہ تعالیٰ نے یہ زبردست کام آپ سے لیا اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم مرحمت فرمائے اور یہ کتاب مقبول عام وخاص ہو۔

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

حضرت قاری صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر آپ نے کچھ لکھنے کو کہا ہے احقر کا حضرت قاری صاحبؒ سے ملاقات کا بہت کم اتفاق رہا اس کی ایک وجہ گجرات جیسی دور جگہ کا قیام ہے تاہم نانا سے خصوصی ربط کی وجہ سے حضرت والدہ صاحبہ سے کافی ان کے تذکرے سنتا رہتا تھا اور ان کے کشف وکرامات کے واقعات بھی جو خاصے مشہور ہیں وہ بھی والدہ ودیگر حضرات سے کافی سنے ہیں۔

گجرات کے سفر پر اُن سے احقر کی ملاقات صرف ایک بار ہوئی پہلی ہی ملاقات میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت سے بہت پرانی ملاقاتیں ہیں یہ حضرت کی خصوصی شفقت

اور محبت جو حضرت کا خاص طرۂ امتیاز تھا اس کی عکاسی کرتا ہے۔ اس موقع پر نام بنام والدہ اور خالاؤں و دیگر اہل خانہ کی خیریت دریافت کی احقر کا اس وقت نکاح نہیں ہوا تھا احقر سے دریافت کیا کہ نکاح ہوا یا نہیں میں نے عرض کیا حضرت ایک جگہ بات چل رہی ہے اس پر فرمانے لگے ٹھیک ہے۔ ورنہ میں نے ایک جگہ دیکھی ہے چلو تمہارے والدین سے بات کروں گا یہ غالباً ۸۰ء کی بات ہے ایک بات اور یاد آگئی جس وقت میں حضرت سے ملنے گا کچھ لوگوں کو تعویذ لکھ کر دے رہے تھے مجھ سے کان میں فرمانے لگے یہ اس لئے لکھ کر دیدیتا ہوں کہ عام لوگ اس سے مانوس ہو جاتے ہیں۔ پھر احمد آباد کی ایک مسجد میں بیان فرمایا جس سے صفاتی معاملات انداز مسلم کسی طرح کا بھی ہو اس سے اجتناب اور جلسہ جلوس ریا کاری سے بچنا ان چیزوں پر خاص زور دیا۔ یہ چند باتیں جو حافظہ کی کسی گوشے میں منقوش تھیں آپ کے حکم پر تحریر کردی ورنہ احقر اس قابل نہیں کہ اتنے بڑے صاحب نسبت بزرگ کے بارے میں کوئی روشنی ڈالے صرف اس خیال سے کہ من درہم خریداران اویم میں میرا بھی شمار ہو جائے اللہ تعالیٰ ان اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی قدس سرہ کی رحلت پر ۲۳ ربیع الثانی

۱۸ھ مطابق ۲۸ اگست ۹۷ء بروز جمعرات

(از حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

دنیا میں آگیا تھا! صدیق سا فرشتہ ۔۔۔ وہ نیکیوں کا پیکر فردوس کو سدھارا
رہتا تھا خاکیوں میں حق سے تھا اس کا رشتہ ۔۔۔ اللہ کی رضا پر کیا زور ہے ہمارا

رحلت سے اس کی عالم کیوں ہو نہ جائے سونا ۔۔۔ ہاں یاد آرہی ہیں اس کی وہ ساری باتیں
تھا دور پرفتن میں اصحابؓ کا نمونہ ۔۔۔ وہ شفقت و محبت وہ پیاری پیاری باتیں

باصد کمال وخوبی تھا مسکنت سراسر
چشم غنا میں اس کی شاہ وگدا برابر
اس مہرباں خدا کو ان پر جو پیار آیا
تکلیف سے چھڑا کر آرام میں بلایا

ایثار اور تواضع تھی بن گئی طبیعت
دل اس کا شاد ہوتا چھوٹوں کی کر کے خدمت
جتنے عزیز پہلے دنیا سے جا چکے ہیں!
کتنی خوشی کی جا ہے سب ان کو مل گئے ہیں

وہ الفت ومحبت وہ شفقت ومروت
سب کا شریک غم تھا تھا غمگسار امت
سب انبیاء ملے ہیں سب اولیاء ملے ہیں
اللہ نے مقدر طور مصطفٰے ملے ہیں

ٹوٹے ہوئے دلوں کا بنتا تھا وہ سہارا
دکھ رنج وغم کسی کا اس کو نہ تھا گوارا
اب اپنی نیکیوں کا ثمرہ وہ پا رہے ہیں
ہم رو رہے ہیں وہ تو خوشیاں منا رہے ہیں

اپنے ہوں یا پرائے تھا فیض عام اس کا
ہر اک کے کام آئے بس یہ تھا کام اس کا
فرمان ہے نبیؐ کا دنیا ہے جیل خانہ!!
مرحوم کو مبارک ایمان کیساتھ جانا

خلق خدا کی خدمت باوصف ضعف وپیری
دور و دراز جا کر کرتا تھا دست گیری
یہ عارضی جدائی بالکل ہی مختصر ہے
ہر آن ہم سبھی کا اس سمت ہی سفر ہے

خدمت میں اس کی جا کر پاتے تھے سب تسلی
قلب شفیق پر تھی رحمٰن کی تجلی
دنیا ہے سکھ سے خالی چار سو بھرا ہے
غم کے سوا جہاں میں سوچو تو کیا دھرا ہے

دیتا تھا پیار سب کو تو اس کو پیار دے دے
پروردگار عالم رحمت میں تو اس کو لے لے
ہم سب بھی اس سفر کی تیاریاں کریں گے
یونسؔ یہ عہد کر لو اسلام پر مریں گے

(ولا تموتن الا وانتم مسلمون
اور بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا)

☆☆☆☆

حب مال اور حب جاہ سے مثالی پرہیز

عبدالقدوس ہادی
مہتمم جامعہ عربیہ اشاعت العلوم قلی بازار، کانپور

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار اوصاف حمیدہ وخصائل جمیلہ سے مزین کیا تھا۔ پرکھنے والوں نے آپ کو ظاہراً اور باطناً ہر طرح سے جانچا مگر آپ کی زندگی میں انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں نکالی جاسکی، بزرگوں سے سنا گیا ہے کہ ولی کامل وہ ہوتا ہے جس کو دیکھ کر اللہ یاد آجائے۔ حضرت عارف باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں نہ جانے کتنے لوگوں نے یہی تاثر پیش کیا کہ آپ کی زیارت وملاقات سے دلوں کے اندر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور صحابہ کرامؓ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ آپ نے اپنے کو اسوۂ نبویؐ کے آئینہ میں اتار دیا تھا۔

حضرتؒ کے اندر یوں تو بے شمار خصوصیات ایسی تھیں جو ان کے ولی کامل ہونے کی

واضح نشانی اور روشن دلیل تھیں اوامر پر عمل اور نواہی سے بے انتہا اجتناب وفرار تھا خلاف شرع امر کا ارتکاب تو دور کی بات اس کے قریب سے گزرنا بھی آپ کو گوارہ نہ تھا۔ احادیث میں بہت سی ایسی باطنی برائیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کا دوسرے شخص کو ادراک نہیں ہوتا بسا اوقات انسان خود اپنے اندر کی برائیوں کو محسوس نہیں کر پاتا ہے حالانکہ وہ اتنی خطرناک ہوتی ہیں کہ مبتلی بہ کے دین وایمان کو برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔ من جملہ ان برائیوں کے حب مال اور حب جاہ بھی ہیں جن کے بارے میں حدیث پاک میں آیا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماذئبان جائعان ارسلا فی غنم بافسدلها من حرص المرء علی المال والشرف لدینه (ترمذی) دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں میں اتنی تباہی نہیں مچاتے جتنی مال اور جاہ کی چاہت انسان کے دین میں بگاڑ پیدا کرتی ہے۔

مشاہدہ یہی کہتا ہے کہ یہ دونوں ایسے عیب ہیں جو انسان کی آخرت برباد کرنے کے ساتھ دنیا میں بھی اس کی قدر ومنزلت کو داغدار بنا دیتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ تعالیٰ کا بے پناہ کرم کہ آپ کو ان دونوں عیبوں سے پاک رکھا ایک عام شخص جس کے محبین اور معتقدین کی تعداد کم ہو اس کے لئے ان چیزوں سے بچنا آسان ہوتا ہے۔ لیکن جس کے آگے پیچھے اہل ثروت کی قطاریں لاکھوں روپیہ حضرت پر صرف کرنا اپنی سعادت سمجھتے ہوں بڑے بڑے لیڈر، منتری اور قد آور شخصیات شرف ملاقات کیلئے وقت مانگتے ہوں ایسے شخص کے دل میں جاہ وحشم، مقام ومرتبہ اور عالیشان مکان وآسائش زندگی کے جذبات نہ پیدا ہوں یہ امر محال تو نہیں مگر مشکل ضرور ہے۔ ایک صاحب کو کہتے ہوئے سنا کہ اگر حضرت صرف خواہش کا اظہار کر دیتے کہ رہائش کیلئے ایک عمدہ ہے تو آپ کے معتقدین ایک مہینہ میں شاندار آپ کے لئے محل تعمیر کرا دیتے۔ وہ کچا مکان جس میں اس آفتاب نے عمر دراز گزار دی آج بھی ان کی دنیا ومافیہا سے بے رغبتی کی شہادت دے رہا ہے۔ وزیر ریلوے جعفر شریف صاحب نے آپ کے نام سے ٹرین

چلانے کی اجازت مانگی آپ نے سختی سے منع کردیا۔ ریاونمود سے آپ کو کس قدر تنفر تھا اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔

الغرض حضرت نے جب حب مال اور حب جاہ کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی تاحیات دونوں لعنتوں سے محفوظ رہے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان دونوں چیزوں کی محبت کے سبب پیدا ہونے والی بے شمار آفتوں، مصیبتوں، ذلتوں، رسوائیوں اور گناہوں سے بطور خاص آپ کی حفاظت فرمائی۔ جب انسان کے اندر مال کی محبت جاں گزیں ہوجاتی ہے تو وہ ہمہ وقت مال جمع کرنے کی فکر میں سرگرداں رہتا ہے۔ اپنا اوڑھنا بچھونا مال کو ہی بنالیتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ مال کا حریص کبھی مال سے سیراب نہیں ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ) ''ہل من مزید'' کی آواز اس کے رگ وریشہ سے نکلتی ہے۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ انسان کو حلال وحرام کی فکر نہیں رہتی۔ مال ہونا چاہئے چاہے جیسا ہو چنانچہ آج کا مشاہدہ بالکل یہی ہے کہ حرام ومشکوک رزق کو بلاتردد پیٹ کی غذا بنایا جارہا ہے۔ جس کے ثمرۂ بد سے آج انسانیت خون کے آنسو رو رہی ہے۔

حضرت نور اللہ مرقدہ نے حب مال سے اپنے کو بے انتہا دور رکھا شاید اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہر حالت میں مال حرام اور مشکوک سے بطور خاص آپ کی حفاظت فرمائی۔ ہمارے ایک متعلق نے حضرت کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا کہ ہمارے قصبہ میں ایک حافظ قرآن ہیں جن کو قرآن مجید بہت اچھا یاد ہے اور پڑھتے بھی عمدہ ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قصبہ کے مدرسہ میں ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا دیگر علماء کے ساتھ بطور خاص حضرت کو بھی مدعو کیا گیا، علماء کرام اور دیگر مہمانان خصوصی کی ضیافت ایک صاحب ثروت نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی جس کا علم معدودے چند افراد کے علاوہ کسی کو نہیں تھا۔ چنانچہ پروگرام کے دن مدرسہ میں ہی ایک دسترخوان پر کھانا لگایا گیا، حضرت نے کھانا شروع کرنے سے پہلے کہا کہ بھائی مجھے تو اس قصبہ کی مشہور چیز کھانے کو چاہئے۔ میزبانوں کا

ذہن قصبہ کی مشہور مٹھائی کی طرف گیا چنانچہ وہ حاضر کی گئی حضرت نے کھانے سے انکار کر دیا۔ حافظ صاحب کہتے ہیں کہ جس وقت حضرت نے مشہور چیز کھانے کی فرمائش کی تھی میرے والد صاحب مرحوم بھی وہیں موجود تھے وہ بھی جلدی سے اٹھے اور گھر میں بنی ہوئی آلو کی سبزی لے کر عین اسی وقت حاضر خدمت ہوئے جس وقت لوگ مٹھائی لے کر آئے تھے۔ حضرت نے سبزی کو شرف قبولیت بخشا اور اس کو نہایت مسرت کے ساتھ کھانا شروع کر دیا۔ یوں تو بات آئی گئی ہوگئی لیکن اہل علم طبقہ میں یہ بات موضوع بحث بن گئی کہ حضرت نے آج یہ خلاف عادت فرمائش کیوں کی ہے اور آلو کی سبزی کو اس طرح قبول کر لیا گویا اسی کی چاہت ہو۔ چنانچہ تحقیق ہوئی اور نتیجہ یہ نکلا کہ جن صاحب نے ضیافت کا کھانا اپنی طرف سے بنوایا تھا ان کی کمائی مشکوک تھی اس لئے حضرت نے ان کے مال کا بنا ہوا کھانا پسند نہیں فرمایا اور اس سے بچنے کیلئے ایسی انوکھی حکمت عملی اپنائی کہ حقیقت حال کا کسی کو اندازہ بھی نہ ہوسکا۔ ایک مسئلہ آخر تک نہیں حل ہوسکا کہ حضرت کو ان کی کمائی کا علم کیسے ہوا بسیار تفتیش کے باوجود جب اس کا پتہ نہیں چلا تو عقل یہ کہنے پر مجبور ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کو بصارت سے زیادہ بصیرت عطا کرتے ہیں یہ اسی بصیرت کا کرشمہ تھا کہ مال مشکوک آپ کے پیٹ میں نادانستگی کی حالت میں بھی داخل نہیں ہوسکا۔ انسان کے درجۂ کمال پر پہنچنے کے لئے ضروری شرط یہ ہے کہ وہ مال حرام سے بچتا ہو اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب انسان کے دل میں حب مال کی قطعی گنجائش نہ ہو جیسا کہ ذات گرامی اس امر کا واضح نمونہ تھی۔

☆☆☆

صدیقِ عصر حضرت قاری صدیق احمد باندویؒ

خم شریعت کا ہے، مئے طریقت کی ہے!

صفی اختر (صحافی و کالم نگار)

معاون مدیر، ماہنامہ اتحاد، نئی دہلی

ہماری تاریخ میں ایسے انمول اور بیش بہا ہیرے ہیں جن کی زندگیاں، قرآن و سنت اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کے ثابت اخلاقی اصولوں سے اخذ کردہ ہیں، اور جنہوں نے اعتدال و توازن پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کو بھی منکرات سے دور رہنے اور اجتماعی زندگی میں انہیں بھی ایثار نیز تکالیف و شدائد پر صبر اور سلامتی فکر پر ابھارا ہے، ایسی ہی اہل حق، متبع شریعت اور صاحب وجدان شخصیتوں میں سے ایک ولی کامل عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ کی شخصیت ہے۔ تاریخ کے اوراق میں ہمیں کتنے ہی اہل علم اور اہل کمالات ملیں گے جن کے علم و فضل اور جن کے کمالات کے سامنے کبھی دنیا سر عقیدت خم کررہی تھی، لیکن وائے افسوس کہ فنا کے اٹل قانون کے سامنے سبھوں کو مجبور و بے بس ہو جانا پڑا، جب اللہ کا فرشتہ پیغام اجل لے کر پہنچ گیا، تو پھر دنیا کی کوئی طاقت کچھ نہ کرسکی۔

بعض نفوس قدسیہ پر قلم اُٹھانا اوراُن کی شخصیت پر کچھ رقم کرنا ہمارے
باعث سعادت ہے، ایک طرف شوق کہ کچھ نہ کچھ لکھوں، دوسری طرف خوف کہ کوئی
ادبی نہ ہو جائے، اس لئے محتاط رویہ پیش نظر ہے۔ ہندوستان میں نور ہدایت کو پھیلا
اور خلق خدا کو خالق کی طرف بلانے میں چند برگزیدہ اور متصوفانہ شخصیات کا نام لیا جائے
ان درخشندہ ستاروں میں ایک نام حضرت مولانا سید صدیق احمد باندویؒ کا بھی ہے
حضرت باندویؒ کا خاندان بندیل کھنڈ کا ایک ذی حیثیت نیز علم وعمل دونوں میں ہی امتیاز
حامل خاندان ہے۔ باندہ، تاریخی لحاظ سے بڑی ہی مردم خیز خطہ اور صوفیوں کا شہر ہے
جہاں حضرت شاہ معین الدین بہ معروف حضرت شاہ خاموشؒ نے اقامت اختیار کی تھی
حضرت باندویؒ کا قیام اپنے قائم کردہ دینی ادارہ جامعہ عربیہ، ہتھوڑا ضلع باندہ (مشرقی
پردیش) میں ہی تھا۔ اس ضلع نے جہاں متعدد ناموراور بڑی شہرت کے مالک علماء پیدا کیے
وہیں قاری صدیقؒ جیسی مجسم متواضع اور خوف خدا سے معمور، معرفت کے بے تاج بادشاہ
کو بھی پیدا کیا۔

قاری صاحبؒ کا شمار ملک کے ان علمائے ربانیین میں ہوتا ہے جو تربیت
وارشاد، اصلاح نفس اور تہذیب واخلاق کے اعتبار سے مرجع کی حیثیت رکھتے تھے، با
کی تہذیبی اور مجلسی زندگی میں آپ کا گہرا اثر ورسوخ ہے۔ آپ اپنے علم کے لحاظ سے
ایک ممتاز عالم کی حیثیت رکھتے تھے، بارگاہ الٰہی سے انہیں جو مقام بلند ملا تھا وہ ان کی
نفسی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی سادہ اور بے تکلف زندگی کی وجہ سے ملا تھا۔ آپ
تعلق مع اللہ، اتباع سنتؐ ورع وتقویٰ اور عشق رسولؐ کے جس بلند مقام پر تھے، الفاظ
ان کا احاطہ ممکن نہیں اور نہ ہی اس کی تصویر کشی تک اس حقیر کا پہنچنا آسان ہے، یوں بھی
معمولی عزم وارادہ کا انسان اس سطح کی بات کر بھی نہیں سکتا۔ آپ اپنے وقت کے ممتاز
طریقت ہی نہیں بلکہ عام مسلمانوں، خواص اور علماء اور مشائخ سے بھی قریب تر تھے، یہا

تک کہ غیر مسلم حضرات تک جوق در جوق پروانہ وار آپ تک پہنچتے تھے، مگر خانقاہی آداب اور رکھ رکھاؤ سے گریز رکھتے تھے۔

حضرت باندویؒ اپنے دینی وعلمی چمنستان، جامعہ عربیہ، ہتوراباندہ میں ہی شروع سے رہے اور اس مدرسہ کی اولین پختہ عمارت کا ایک کمرہ کرایہ پر لے رکھا تھا اور اسی میں آپ مقیم تھے۔ حضرت نے اپنے انتقال سے پہلے اٹھارہ ماہ کا کرایہ بھی دفتر کو ادا کیا تھا جس کی رسید مدرسہ کے اکاؤنٹ سیکشن میں موجود ہے۔ آپ انتہائی امانت دار، متواضع اور منکسر المزاج تھے، اپنی کسی حیثیت کا یا اپنی شخصیت کا کسی بھی طرح احساس نہ تھا اور نہ ہی اپنی کسی حیثیت کا کبھی ذکر فرماتے۔ بڑوں کا کہنا ہے کہ تواضع کی حقیقت یہ نہیں کہ کسی کام کو یہ سوچ کر اختیار کیا جائے کہ یہ ہمارے منصب سے فروتر ہے لیکن لاؤ کر لیں، بلکہ اس کی حقیقت یہ احساس وتاثر ہے کہ ہم اس لائق بھی نہیں ہیں یعنی تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ حقیقت میں اپنے کو لاشے سمجھے اور ہیچ سمجھ کر تواضع کرے اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے (بصائر حکیم الامتؒ)۔

حضرت قاری صاحبؒ کی نشو ونما روحانی ماحول میں ہوئی تھی، اس لئے ابتدا سے ہی اُن کی زندگی میں صلاح وتقویٰ کا رنگ تھا، آپ اپنے دادا مولانا امین الدین صاحب ہتورا، باندہ، مولانا عبید الرحمٰن الہ آبادی (جو حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے بیعت تھے) استاذ القراء حضرت قاری محمد فتح پانی پتیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ، شیخ الہند علامہ کشمیریؒ، حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ رامپوریؒ ناظم جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور (جو حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے خلفاء میں سے تھے)، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اور حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ جیسے متعدد اصحاب علم وفن کے شرف تلمذ سے باریاب ہوئے۔ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے ذریعہ دینی ودعوتی تحریک تبلیغی جماعت کے آخری امیر حضرت جی مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ سے بھی غیر

معمولی تعلق رکھتے تھے اور مرکز تبلیغ بستی حضرت نظام الدین ویسٹ نئی دہلی میں بھی ملاقات کو تشریف لاتے تھے۔ من حیث المجموع بیسویں صدی کے تمام گوہر نایاب بزرگوں اور عالم وداعی حضرات سے آپ کی ملاقاتیں رہی تھیں۔ راہ سلوک کے مربین ومشائخین سے آپ کا گہرا تعلق رہا۔ حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی کی خدمت میں بھی حاضری رہتی تھی، الہ آباد اور پھولپور میں حضرت پرتاپ گڑھی سے ملنے جلنے کا سلسلہ رہتا، ایک بار حضرت باندویؒ پھولپور گئے تو مولانا پرتاپ گڑھی از خود ناشتے کا ٹرے لے کر حضرت قاری صدیقؒ کی خدمت میں آگئے، کسی نے کچھ کہا تو فرمایا "جیسا مہمان، ویسا میزبان" حضرت مولانا قاری طیب صاحب رحؒ مہتمم دار العلوم دیوبند بھی حضرت قاری صدیق باندویؒ سے بہت واقف بڑے قائل اور نہایت مداح تھے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندویؒ ایک جگہ حضرت باندویؒ کے تعلق سے اس طرح گویا ہیں:

"ہمارے اس عہد اور میرے علم وواقفیت کے دائرہ میں مولانا سید صدیق احمد باندویؒ کی ذات ان ربانی علماء اور عربی و مصلح شیوخ میں ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اخلاص وللہیت جذبۂ اصلاح وتبلیغ فہم سلیم، حقیقت شناسی، حقیقت بینی اور راہ خدا میں جفاکشی وبلند ہمتی کے اوصاف سے متصف فرمایا اور اظہار حق اور صحیح مشورہ کی جرأت بھی عطا فرمائی ہے"۔

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ بھی حضرت باندویؒ کو دوسرے اکابر کی طرح بڑی عزت واحترام کا مقام دیتے اور نہایت محبت وتعلق کا معاملہ فرماتے۔ فقیہ العصر حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ سے بھی حضرت باندویؒ کو بڑی محبت تھی۔ ہر دو ایک دوسرے کا حد درجہ احترام فرماتے تھے، حضرت باندویؒ جب بہار کے دورے پر ہوتے تو پٹنہ میں حضرت قاضی صاحبؒ سے بھی ملاقات کی خواہش رکھتے۔ دونوں کی مجلس بڑی منفرد ہوتی، وہاں پر موجود لوگوں کا یہ احساس تھا کہ دونوں کو ایک دوسرے کا

عرفان حاصل ہے اور علم ومعرفت کی دنیا کے دونوں ہی شہسوار ہیں۔ قاضی صاحب علیہ الرحمہ کے تعلق سے حضرت قاری صدیق صاحب فرماتے کہ ''اگر قاضی صاحب جیسے چند مخلص کام کرنے والے مل جائیں تو کام بن جائے۔ قاضی صاحبؒ کی درخواست پر حضرت مولانا صدیق باندویؒ ایک بار ملی کونسل کے ذریعہ منعقدہ آل انڈیا دینی مدارس کنونشن بمقام ''بچوں کا گھر'' دریا گنج میں 1994 میں تشریف لائے۔ نیز قاضی صاحب کی استدعا پر انہوں نے خصوصی اجتماعی دعا کرائی تھی۔

حضرت قاری صدیقؒ ایک اچھے شاعر بھی تھے، ان کا ایک شعر یوں ہے:

خداوندا مرا بھی حشر ان کے ساتھ ہو جائے

یہاں جو گئے ہیں پیکر صدیق وفا ہو کر

حضرت قاریؒ کی دو تصنیفات ''آداب المعلمین'' و''آداب المتعلمین'' نے بھی قبولیت عام حاصل کیا۔ آپ بڑے مہمان نواز تھے۔ آپ کے مدرسہ میں آپ سے ملنے والوں کا جم غفیر رہتا، سبھوں کیلئے آپؒ قیام وطعام کا نظم فرماتے، ان کے ساتھ خندہ پیشانی کا معاملہ رہتا، ان کی ضروریات کا پتہ بھی چلاتے۔ ان کے مدرسہ میں کسی باہری بچہ کو داخلہ دینے میں کوئی سخت ضابطہ نہیں تھا۔ داخلہ کا سلسلہ پورے سال رہتا، اس لئے کہ حضرت باندویؒ بچوں کے سال کا کسی طرح نقصان پسند نہیں کرتے، ان کے ساتھ ہمدردی اور خورد نوازی کا معاملہ فرماتے۔ انہیں یہ پسند نہ تھا کہ کوئی بچہ داخلے کی خواہش کے باوجود داخلہ سے محروم ہو جائے۔ آپ کے مدرسہ میں ابتدائی دینی تعلیم سے لیکر عربی ششم تک کی تعلیم کا نظم تھا۔ آپ بچوں کے اسباق کا بہت خیال رکھتے، جب بھی اپنے اسفار سے واپس آتے تو بچوں کے باقی رہ گئے ابواب کو اولین ترجیحات میں پڑھا دینے کی کوشش کرتے، آپ سفر پر جانے سے پہلے ہی یہ طے کر دیتے کہ آگے کا سبق اپنی مصروفیات سے پہلے پہلے پڑھا دیں۔ آپ کی کتابیں علوم منطق، بلاغت، ادب، تجوید اور تفسیر سے متعلق تھیں۔ آپ

ایک اچھے شاعر اور اپنا قلمی نام (تخلص) ثاقب رکھا تھا۔

اپنے مدرسہ کے اساتذہ کے مسائل پر نگاہ رکھتے، لیکن بچوں کے ساتھ بڑے کریم وشفیق تھے۔ بچوں کو نماز فجر کی ضرور تلقین کرتے، تہجد کی بھی ترغیب دیتے، لیکن اگر بعض بچے بروقت نہ بیدار ہو سکے اور ان کی نماز چھوٹ گئی تو ان کے ساتھ کوئی سختی کا معاملہ نہ ہوتا، اگر کوئی بچہ سبق یاد کرنے میں کاہلی اور عدم دلچسپی سے کام لیتا تو قاعدہ کے مطابق مدرسہ کے مطبخ سے اس کا کھانا بند ہونے کا دستور تھا، تاہم حضرت قاری صاحبؒ ایسے بچوں کے دیگر قریبی دوستوں کو متوجہ کرتے کہ اس کا دوست بھوکا نہ رہے۔ محض اس وجہ سے کہ اس نے سبق یاد نہیں کیا، "جاؤ مطبخ والے کی خوشامد و برآمد کر کے اسے کھانا کھلا دو"۔ حضرت باندویؒ اہل خدمت میں سے تھے۔ ان کے تعلق سے یہ واقعہ بھی خاصا مشہور ہے کہ بعض زمانہ میں مدرسہ کے باتھ روم وٹائلٹ کی صفائی بھی حضرت خود کرتے اور تہجد سے پہلے پہلے یہ کام کر ڈالتے تاکہ فجر کی نماز کے لئے اٹھنے والے مہمانوں اور طلباء کو کسی طرح کی کوفت اور پریشانی نہ ہو، اس طرح صفائی سے فراغت کے بعد فجر کی نماز کی تیاری کرتے۔ وہ طلباء کو اپنے پاس امانت سمجھتے تھے اور خود کو ان کے حق میں جوابدہ۔ اپنے مدرسہ کے بچوں کے تعلق سے ایسی دردمندی کی شاید بعض والدین بھی ان کے بارے میں اس طرح نہ سوچتے۔ اس ضمن میں ایک چھوٹے سے واقعہ کا ذکر شاید ضروری ہو کہ ہتھوڑا مدرسہ کے ایک بچے کو چیچک جیسا مرض لاحق ہو گیا۔ حضرت باندویؒ اس بچے کے تعلق سے بہت پریشان اور مضمحل تھے کہ کہیں وہ رخصت نہ ہو جائے، چنانچہ اس کے لئے بہت ۔ گو رہتے، یہاں تک کہ اس بچہ کی حالت اور بھی نازک ہوئی جا رہی تھی، حضرت نے اس کے لئے بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا رہتے ہوئے یہ فریاد کی اے خداوندا!! اگر اس بچے کی شفا کے بدلے اگر یہ ضروری ہو کہ میری اولاد کو تو قبول کر لے تو یہ بھی مجھے پسند ہے۔ مشیت ایزدی نے دعا سن لی، ان دعاؤں کے طفیل ہی اللہ نے اس بچے کو شفایاب کر دیا،

ان چند ہی روز کے اندر حضرت باندویؒ کی ایک نوعمر بچی عائشہ انتقال کر گئی، تاہم حضرت نے اف تک نہ کیا اور صبر و عزیمت کی ایک ایسی مثال قائم کی جو شاید ہمارے سماج میں قطعی ممکن نہیں۔ رب ذوالجلال حضرت قاری صاحبؒ کو اعلیٰ علیین میں جاگزیں فرمائے اور امت مسلمہ کے لئے کی گئی ان کی دعاؤں میں ہمیں بھی استحقاق نصیب کرے۔ آمین!

بلاشبہ وہ مستجاب الدعوات تھے۔ مولانا کفیل احمد ندوی نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے حوالے سے یہ بات کہی کہ ایک بار حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ تشریف لائے تو مولانا علی میاںؒ نے اپنے مجلس کے بعض اصحاب سے فرمایا کہ ''مولانا باندویؒ کو دیکھنا بھی عبادت ہے''۔

حضرت قاری صاحبؒ کی ذات سراپا کرامت تھی، جس کا ظہور ان کے سفر و حضر میں لوگوں کو ہوتا رہتا تھا۔ مگر ان کی کسی ادا سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ اخص الخاص مقبول بارگاہ الٰہی ہیں۔ حضرت کی مسکراہٹ بھی غضب کی تھی، پھر موتی جیسے ان کے دانت بھی قابل دید تھے عملاً وہ شرافت کا بے مثال پیکر تھے۔ ان کی گفتگو کا لہجہ ایک خاص حد تک دھیما تھا، وہ عاجزی اور انکساری کا عظیم نمونہ تھے۔

ہے آواز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں!

سب سے پہلی عبادت جو مشروع ہوئی ہے اور جس کی تعلیم دی گئی ہے وہ نماز ہے، پس اگر نماز درست ہوئی تو وہ شخص فلاح پا گیا اور کامیاب ہو گیا جس نے اسے خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کی۔ اگر نماز میں کچھ سہو واقع ہوئی تو اسے نفل نمازوں سے پورا کیا جائے گا، آپؒ کی نمازوں کے معمولات کا یہ عالم تھا کہ پنجوقتہ نمازوں کے ساتھ سنن کے علاوہ اشراق، چاشت اور اوابین کا بھی بے حد اہتمام تھا اور تہجد کا تو معمول تھا ہی، سنت مؤکدہ کے چھوٹنے کا سوال ہی کہاں؟ سنا کہ سفر و حضر کسی بھی حال میں تہجد ترک نہیں ہوئی، خواہ کسی قدر لمبے لمبے اسفار اور پر مشقت اور تعب و تکان سے وہ گزر رہے ہوں۔ یوں تو تمام

بزرگوں کے یہاں تہجد کے اہتمام کا معاملہ رہتا آیا ہے۔ حدیث شریف میں بھی نماز تہجد کی تین خاصیتیں بیان کی گئی ہیں، اور یہ کہ تقرب الٰہی جس کا بہترین ذریعہ ہے، دوسرے یہ کہ برائیوں کیلئے کفارہ ہے، اور تیسرے یہ کہ گناہوں سے یہ روکنے والی ہے۔ حضرت باندویؒ کا ذہن وفکر اور عمل وکردار، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھل گیا تھا، سنت پر عمل کرنا ان کے مزاج کا حصہ تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ سنت کے بغیر نہ تو قرآن کے مطالب ومقاصد کو پورے طور پر سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کے اجمال کی تشریح کی جاسکتی ہے۔ قرآن کریم نے زندگی کے تمام شعبوں کے لئے جو ہدایات دئے ہیں ان پر چلے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ اسلامی قانون کی عمارت کا ڈھانچہ حق تعالیٰ کے احکام کے اس مجموعہ سے بنا ہے جسے خالق نے اپنے مخلوق کی زندگی کو منضبط، پر امن اور مفید وکامیاب بنانے کے لئے دیا ہے۔ سنت نبوی تشریع اسلامی کا مآخذ ہے۔ صحابہ کرام حضورؐ کی سنت پر ڈھونڈ ڈھونڈ کر عمل کرتے تھے۔ اور تابعین وتبع تابعین نیز تمام اولیاء اللہ نے اسے اپنی زندگیوں میں ڈھالا ہے۔ حضرت قاری صدیقؒ کی شخصیت بلاشبہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے کسی سایۂ رحمت سے کم نہ تھی، بارگاہ الٰہی میں مقبولیت کی بنا پر ہی وہ صدیق زماں ہوئے۔ رب العزت ان کے رواں رواں کی مغفرت فرمائے اور ان کے اسوۂ حسنہ کو ہماری زندگی کا حصہ بنادے۔ آمین۔

☆☆☆

باسمہ تعالیٰ

ایک ہمہ گیر شخصیت

از مولانا بشیر احمد

مظاہر علوم سہارنپور

مکرمی جناب ڈاکٹر محمد طٰہٰ فاروقی صاحب زید فضلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا!

آنجناب کا خط موصول ہوا تھا، جس میں عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کے حالات کے بارے میں کسی کتاب کی ترتیب واشاعت کے اظہار اور بندہ کا ان سے خاندانی ربط ہونے کی بنیاد پر ان کے بارے میں کوئی مضمون تحریر کردینے کی درخواست پر مشتمل تھا۔

بزرگوں کے احوال وآثار پر مشتمل کوئی کتاب مرتب وشائع کرنا یقیناً ایک کارخیر اور قابل قدر کام ہے، قرآن کریم میں جو جابجا انبیاء سابقین علیہم السلام اور گزشتہ امتوں کے بعض افراد کے واقعات اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، وہ اس کی نظیر ہے، بزرگوں کے یہ حالات افراد کی اصلاح کیلئے بڑے مؤثر اور روز انقلاب بھی ہوتے ہیں اور قوموں کے مستقبل کیلئے نشانِ راہ بھی۔

خصوصاً حضرت باندویؒ جو ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے، اور آپ کی خدمات کا دائرہ بھی وسیع ہے، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وتقریر اور بیعت وارشاد ہر لائن سے آپ نے قابل رشک دینی خدمات انجام دی ہیں، ابتدا طالب علمی سے لیکر آپ کی زندگی کا ہر مرحلہ، آپ کی تمام نقل وحرکت اور جدوجہد، اور آپ کا ہر قدم وپیش رفت بعد

والوں کے لئے لائق تقلید اور حرز جاں بنانے کے قابل ہے۔ جس مجاہدے کے ساتھ آپ نے علم حاصل کیا اور جس عرق ریزی کے ساتھ پھر اس کو پڑھایا اور جس دردمندی وکڑھن کے ساتھ امت کی اصلاح کیلئے غیر معمولی کوششیں کیں وہ اپنے آپ میں ایک مثال ہے اور یہ واقعہ ہے کہ کسی بھی لائن سے دین کا کام کرنے والے ہر فرد کے لئے آپ کی زندگی نمونہ اور اسوہ ہے، اس لئے ان کے احوال کے بارے میں کوئی کتاب ترتیب دینا بلا شبہ مفید ہے۔

راقم سطور کو حضرت باندویؒ کو کبھی دیکھنے یا ان سے براہ راست مستفید ہونے کا شرف حاصل نہ ہو سکا، احقر ابھی اپنی زندگی کے بارہویں یا تیرہویں پڑاو پر تھا کہ حضرت والا کی وفات ہو چکی تھی، ان سے سب سے پہلا تعارف ان کی مفید ترین اور نصیحت آموز کتاب ''آداب المتعلمین'' سے ہوا جو شاید سال چہارم میں آغاز سال میں استاذ محترم نے سبقاً سبقاً پڑھائی تھی، اور اس کی روشنی میں اپنا علمی سفر طے کرنے کی تلقین وتاکید فرمائی تھی، واقعہ بھی یہی ہے کہ اپنے علمی سفر کا رخ صحیح کرنے اور اس کے نہج کو درست کرنے کے لئے اس کا مطالعہ اور اس کی ہدایات پر عمل از بس ضروری ہے، اس کتاب کی حیثیت وہی ہے جو کسی فن کے ان اصول ومبادی کی ہوتی ہے، جن کی روح اس فن کی تمام جزئیات وفروع میں کارفرما ہوتی ہے، اس کتاب میں مذکور ہدایات بھی پورے علمی سفر اور اس کے ہر مرحلہ ومنزل کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ہیں، اسی وقت سے حضرت والا کی بزرگی اور فضل وکمال دل میں گھر کر گیا تھا اور اس کے بعد جب بھی آپ کا ذکر خیر سنتا تو دل ودماغ کو آپ کی عقیدت ومحبت کے جذبات سے معمور پایا۔

باقی بندے کا ان سے کوئی نسبی یا خاندانی ربط نہیں ہے، البتہ دینی تعلق ضرور ہے، اسی بنا پر یہ چند سطور تحریر کر دی گئیں، خدا کرے یہ آپ کے کسی کام آجائیں۔ فقط۔

☆☆☆

حضرت مولانا قاری صدیق صاحب کی سوانح حیات

از۔ڈاکٹر محمد احمد، ماہر امراض قلب

حضرت قاری صاحبؒ ایک جید عالم دین اور خداترس تھے اور سنت کے پیروکار تھے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی اللہ اور رسولؐ کے حکم پر گذاری ان کا ہر قدم اللہ اور اس کے رسولؐ کی مرضی پر اس کے مطابق اٹھتا تھا اور سنت کی اتباع کی ہر وقت فکر رہتی تھی۔ طالب علمی کے زمانہ سے ہی صوم وصلاۃ کے بہت پابند تھے اور محنت اور لگن کے ساتھ علم حاصل کرتے تھے، ان کی بزرگی اور تقوئی کو دیکھ کر ان کے استاد محترم حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ ہم سے پوچھے گا کیا لیکر آئے ہو تو میں قاری صدیق اور مولانا ابرارالحق ہردوئی کو پیش کروں گا یہ بات ان کے ایک استاد نے کہی جو خود ہی جید عالم دین اور بہت بڑے بزرگ اور دارالعلوم دیوبند کے استاد تھے۔ قاری صاحب کا ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ مدرسہ کا چندہ لیکر آرہے تھے ڈاکوؤں نے ان کا چندہ چھیننا چاہا انہوں نے جھولا پھینک کر کہا لے جاؤ یہ مدرسہ کا پیسہ ہے قاری صاحب کے اتنا کہتے ہی وہ سب اندھے ہوگئے اور کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ڈاکوؤں کے ان سے معافی مانگی اور سب پیسہ واپس کردیا حضرت نے سب کو معاف کردیا وہ سب اچھے ہوگئے۔ حضرت کا ایک اور واقعہ ہے ایک مرتبہ کسی گاؤں کا سفر کرتے کرتے راستہ بھٹک گئے جنگل میں چلے گئے ہر طرف جنگل ہی جنگل نظر آرہا تھا دور تک کوئی آبادی نظر نہیں آرہی تھی۔ بہت مشکل میں پڑ گئے تھے شام سے رات ہوگئی سامنے سے دو بھیڑیئے آتے دکھائی دئے حضرت قاری صاحب بہت گھبرائے اللہ سے دعا کی اور یہ آیت پڑھی انهم يكيدون كيداً واكيد كيدا فمهل الكفرين امهلهم رويداً. اللہ نے قاری صاحب کی دعا سن لی اور اس آیت کی برکت سے دونوں بھیڑیئے بھاگ گئے۔ بڑی مشکل کے بعد جنگل سے گاؤں پہنچے اور ایک ہندو کے گھر رات گذاری کسی نے سچ کہا ہے۔

من كان لله كان الله له۔ جو اللہ کا ہوگیا اللہ اس کا ہوگیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خشیت الٰہی کی ممتاز شخصیت

از۔ شمس الدین مظاہری

مدرسہ دار العلوم رحمانیہ، چک مبارکپور، پرتاپگڑھ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد. اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء الآیۃ یقیناً اللہ سے ڈرنے والے اللہ کے بندوں میں سے علماء یعنی عالم دین خشیۃ الٰہی کے خاص مظہر ہیں۔

روایتی مفہوم میں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آئے وہ اللہ والے کہلاتے ہیں یہی وہ حضرات ہوتے ہیں جن کی شان میں تتجافیٰ جنوبھم عن المضاجع ۔اور انہیں کی شان میں یبیتون لربھم سجدا وقیاماً کا نزول ہوا ہے یہ وہی حضرات ہیں جو دن میں خلق خدا کے احوال پرکڑھتے ہیں اور رات میں خلق خدا کے لئے دست دراز فرماتے اور رحم وکرم کی خدائی بھیک مانگتے ہیں جملہ اولیاء کرام اور علماء دین انہیں اوصاف اور طرز عمل میں زندگیاں گذار دیتے ہیں لیکن فضل خدا کا حال یہ ہے کہ تمام اولیاء اوصاف جمیلہ اور حمیدہ کے باوجود کچھ نہ کچھ صفتیں الگ رکھتے ہیں اور ممتاز حیثیت سے کام انجام دیتے ہیں انہیں اخلاق ومحامد کے جامعہ کمالات حضرت اقدس عارف باللہ ولی کامل وبے مثال حضرت قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ ہیں جن کی زندگی امت کے حق میں انعام خداوندی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوسکتی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جملہ کمالات عطا فرمائے انسان سازی میں آپ اپنی مثال تھے ایک زمانہ تک حضرت سے متعلق رہا اور الحمد للہ آخری دیدار نصیب ہوا ایک نیک طبیعت خاتون جو ترجمان اہل حق انا وٗر فیقی جناب ڈاکٹر طٰہٰ صاحب فاروقی آدام اللہ بالعافیہ کی شریک حیات نے بذریعہ فون مطلع فرمایا جس کی وجہ

سے بندہ بھی سرزمین ہتوراپہنچ کر حضرت کی آخری زیارت کا شرف حاصل کر سکا۔

حضرت سے خطوط کا سلسلہ بھی رہا کرتا تھا ایک مرتبہ حضرتؒ نے بندے کے خط کے جواب صوفیٔ وقت حضرت مولانا احمد صاحب پرتا پگڑھی نوراللہ مرقدہ کے تعلق سے بڑی گہری فکر کے ساتھ تحریر فرمایا کہ حضرت کا کوئی جانشین نہیں ہے ان کے بڑے بیٹے تھے انکا بھی انتقال ہوگیا۔ آپ کی اس وقت کیا مصروفیت ہے اگر موقع نکالتے تو بڑی اچھی بات ہوتی مگر میں درسی کتابوں میں مصروف تھا حضرت کو معذرت کے ساتھ جواب دے دیا خانقاہی نسبت اور بزرگوں کے سلسلے کے بقا کی نیز رشد وہدایت وصلاح وفلاح کی فکر میں دامن گیر ہوتی ہیں اور حضرت کے اندر یہ فکر خاص کر ودیعت کے درجہ میں پائی جاتی تھی اور ہمیشہ اپنے متعلقین کو بھی انہیں فکروں میں مشغول رکھنا چاہتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت کا جامع العلوم پٹکاپور کانپور میں بیان ہورہا تھا تمام اہل علم واہل ثروت جمع تھے حضرت نے انسان کی انسانیت اور وجود انسانیت اور انسانی تخلیق میں خدا کی کاریگری اور تین اندھیروں میں انسان کا بننا بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ انسان تمام کارخانے اور فیکٹریاں بناتا ہے لیکن اس کی کیا حیثیت ہے اس کی حیثیت یہ ہے کہ خود پائخانہ بنانے کی فیکٹری ہے اس سے تو چھوٹی بڑی نجاست ہی وجود میں آتی ہے پھر بھی اپنے کو پتہ نہیں کیا کیا سمجھتا ہے گویا کہ حضرت کو یہ فکر ہمیشہ دامن گیر تھی کہ کسی بھی طرح سے لوگوں کی اصلاح ہوجائے اور زندگی عملِ آخرت پر گامزن ہوجائے اور امت ابدی عذاب جہنم اور عذاب الیم سے بچ جائے۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بندہ راقم الحروف سہارنپور مظاہر علوم مادر علمی استادوں کی زیارت وملاقات سے واپس ہورہا تھا کہ پوسٹر میں دیکھا کہ رڑکی ضلع ہریدوار کے پاس اقبال پور گاؤں میں مدرسہ کا جلسہ ہے اور حضرت باندویؒ نوراللہ مرقدہ اسم گرامی بھی پوسٹر میں سرفہرست ہے بندہ موقع کو غنیمت جانا اور اقبال پور پہنچ گیا حضرت سے ملاقات ہوئی حضرت نے بڑے تعجب سے فرمایا تو یہاں بھی آگیا میں نے سہارنپور کی حاضری کا ذکر کیا

تو حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ گاہے گاہے اساتذہ کی ملاقات کو جانا بڑی سعادت کی بات ہے ہدیہ وغیرہ بھی لے جایا کرو۔ بعد نماز مغرب دسترخوان لگایا گیا کئی قسم کے مرغن اشیاء دسترخوان پر چنے ہوئے تھے حضرت نے بندے کو اپنے پاس بیٹھالیا تھا پھر حضرت کے پاس ایک صاحب نے کڑھی لاکر رکھ دیا تو حیرت سے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہنے لگے تو نے بتایا ہوگا کہ حضرت کڑھی پسند فرماتے ہیں تین مرتبہ کہتے رہے تو میں نے کہا حضرت میں تو میزبانوں کو پہچانتا بھی نہیں میں نے کسی سے کڑھی کو نہیں کہا الغرض دستار بندی کا جلسہ تھا تعلیم وبقاء تعلیم اور اشاعت تعلیم پر حضرت نے بصیرت افروز بیان فرمایا دیگر علماء کرام بھی شامل تھے۔

اسی طرح ایک مرتبہ سیوڑی ممبئی پٹھان مسجد میں حافظ صالح وغیرہ جو کہ باندہ کے رہنے والے ہیں اور ممبئی میں کاروبار کرتے ہیں حضرت وہی قیام پذیر تھے بعد نماز عشاء آرام فرمانے کیلئے لائٹ وغیرہ بند کر کے کچھ ذکر میں مصروف تھے اور بندہ وہاں بھی حاضر خدمت تھا اور حضرت کی خدمت میں مصروف تھا اتنے میں کچھ لوگ بات چیت کرتے ہوئے اندر گئے اور مجھے اشارے سے بلاکر باہر لے گئے اور بتایا کہ ایک جماعت آئی ہوئی ہے اور امیر جماعت کو تکلیف ہے کچھ جن کا اثر معلوم ہو رہا ہے جس کی وجہ سے پریشان ہیں میں نے ہمت نہ کیا لیکن آہٹ سے حضرت کو معلوم ہو گیا تو حضرت نے خود ہی معلوم کیا کہ کیا بات ہے تو میں نے حضرت کو پوری بات بتائی حضرت نے فرمایا ڈاکٹروں کو دکھانا چاہئے ہم کوئی ڈاکٹر حکیم نہیں تھوڑی ہی دیر پھر حضرت اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا لائٹ جلاؤ اور فرمایا ان کو بلاؤ وہ لوگ گاڑی میں امیر صاحب کو لائے ہوئے تھے حضرت نے خود ہی کچھ پڑھ کر دم فرمایا اور پانی پر دم کر کے دیا امیر صاحب فوراً ہوش میں آ گئے اور بخیر و عافیت جہاں جماعت کا قیام تھا واپس چلے گئے۔ اسی طرح کئی مرتبہ ہتوراجانا ہوا ایک مرتبہ شب قدر میں حاضری ہوئی تو حضرت آخری شب میں کسی کتاب کا درس باقی پورا فرمانے لگے لوگ عام طور سے رمضان شریف میں درس وتدریس کو تعطیل کے نذر کر دیتے ہیں لیکن حضرت نور اللہ مرقدہ کا نظام عجیب وغریب تھا اسی طرح ایک

مرتبہ حاضر ہوا تو جونپور کے کچھ لوگ اپنے تعویذ وغیرہ کے غرض سے اپنی گاڑی لیکر آئے تھے حضرت کو کانپور آنا تھا بات چیت سے معلوم ہوا کہ وہ کانپور چھوڑتے ہوئے چلے جائیں گے تو حضرت نے فرمایا چوڈگرہ تک چلوں گا وہاں سے ہم کو کانپور کی بسیں مل جائیں گی میری وجہ سے آپ کانپور نہ جائیں اور جوڈگرہ تک کرایہ دیکر چلیں گے اگر منظور ہو تو چلو ورنہ آپ لوگ جا سکتے ہیں بہرحال حضرت کی شرط کے مطابق ہی سفر پر راضی ہو گئے اگر کوئی ہم جیسا ہوتا تو کہتا کہ جزاک اللہ پرتابگڑھ چھوڑ دو تو بہت بہت شکریہ۔

ایسے ہی ایک مرتبہ جبکہ بندہ کانپور جامعہ اسلامیہ قلی بازار میں درس حدیث خاص کر مسلم شریف پڑھانے میں مصروف تھا دستار بندی کے جلسے میں حضرت تشریف لائے حضرت مولانا فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مدرسہ نے اس وقت مہمانوں کے خوردونوش میں بندے کو ذمہ داری دے رکھی تھی میں وہیں مصروف تھا حضرت نے تدوین حدیث اور حضرت امام بخاری کی تمام محدثین پر فضیلت اور کتاب بخاری کی افضلیت نیز حدیث میں نیت میں خلوص انما الاعمال بالنیات کے مطابق بڑی علمی اور تاریخی بیان فرمایا نیز عالم دین کی فضیلت اور کن عالماً اومتعلماً اور مستمعاً اومحباً ولاتکن خامساً فتھلک الحدیث پر بڑی بصیرت افروز تحقیقی خطاب فرمایا اور جب دستار بندی فرمانے لگے تو حضرت نے فرمایا جو لوگ سال سال بھر پڑھاتے ہیں وہ کہاں ہیں اصل تو دستار باندھنے کا حق انہیں کو ہے سند وہی دیں گے اور انہیں کے محنت کا نتیجہ ہے جو آج یہ دن دیکھنے کو ملا ہے لہٰذا ہم اساتذہ بلائے گئے بندہ بھی حاضر ہوا حضرت نے فرمایا پہلے تو تمہیں باندھو پھر ہم بھی ہاتھ لگا دیتے ہیں اصل حق تو آپ ہی لوگوں کا ہے چنانچہ دستار مکمل ہوا اور تقریر و دعا پر جلسے کا اختتام ہوا اللہ تعالیٰ اکابرین کے صدقے میں اصاغرین کو قبول فرمائے آمین۔ آخر وہ دن آ گیا جبکہ ہر ایک کیلئے وہ دن متعین ہے۔

جاتے ہیں اس جہاں سے انسان رفتہ رفتہ

تم بھی وہاں کا کرلو سامان رفتہ رفتہ

یوں ہی اگر رہوگے حکم خدا سے غافل
شیطان چھین لے گا ایمان رفتہ رفتہ

الحمدللہ حضرت کے وصال کے موقع پر بندہ ایک غیبی نظام کے ساتھ ہتورا پہنچ گیا اور حضرت کے آخری آرام گاہ تک پہنچانے میں یہ خاکسار شامل ہوگیا گویا کہ

ہائے گل چینِ اجل کیا تجھ سے نادانی ہوئی
پھول وہ توڑا چمن میں جس سے ویرانی ہوئی

اللہ کا شکر ہے کہ جہاں بہت سے اہل قلم نے حضرت کو خراج عقیدت میں کلام پیش کئے بندے کو بھی شرف حاصل ہوا کہ بندے نے بھی کچھ اشعار پیش کئے اور مدرسہ ہتورا رسال بھی کر دیا تھا مدرسہ والوں نے اس کو خراج عقیدت نامی کتاب میں شائع کر دیا تھا وہ پیش کرر ہا ہوں اکابرین کی یادگار میں اوران سے وابستگی اللہ کی کھلی ہوئی نعمت ہے جو اس دور میں نایاب سی ہوگئی ہے مگر جناب ڈاکٹر طٰہٰ صاحب فاروقی جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوصین کیلئے قبول فرمایا ہے۔ کہاں کہاں سے کس سے کس سے مراجعت کر کے یادگاریں جمع فرماتے ہیں گویا کہ ترجمان اہل حق ان کے خاص حصے میں مقدر ہو چکا ہے ابھی ''سید عبدالربؒ صوفی۔ شخصیت اور شاعری'' کتاب منظر عام پر ہے ڈاکٹر صاحب کا کمال ہے کہ ہندوستان میں کن کن اکابرین سے رابطہ فرمایا اور مرحوم سید صوفی عبدالرب صاحب نور اللہ مرقدہ کے حالات یکجا کر کے صوفیؒ صاحب کی جملہ تاریخی کیفیت قلم بند فرمایا اللہ تعالیٰ موصوف کو اہل حق اور علماء اکابرین دارالعلوم دیو بند، سہارنپور، لکھنؤ وغیرہ کی خدمت کیلئے قبول فرمائے۔ آمین۔

احب الصالحین ولست منهم
لعل اللّٰه یحدثنی صلاحا

فیض کا بحر رواں

از قلم مولانا شمس الدین مظاہری
انجم پرتاپ گڑھی مدرسہ شمس العلوم

علم وحلم وفیض کا بحر رواں — بے مثیل و بے مثال و بے گماں
خلق میں محبوبیت یکساں تمام — تھے شریک درس ان کے انس وجاں
آسماں ساتوں طبق ساری زمیں — اشکِ باراں حال خودقالِ زباں
فیض یابی کا زمانہ معترف — چشمِ بینا قلبِ عالم ایں وآں
آسماں ساکت درودیوار سب — قلب مضطر بند تھیں سب کی زباں
جامع اوصاف کل پائیں کہاں — اہل دل اہل چمن اہل زماں
اے مرے مرشد مرے سب سیم وزر — کیسے دیکھوں آپ کو پاؤں کہاں
درسگاہِ مصطفٰے جو آپ کا ہے جامعہ — صدقہ جاری تاقیامت ہے یہ اب بہر جناں
سنگ بنیادوں کے جلسے جلسے دستار بھی — ہوگئے بے نور سے اب کیا کریں اہل جہاں
سرپرستی اب مدارس کی وہ اصلی معائنہ — حضرت صدیقؒ کے دستخط پہ وہ مہری نشاں
اہل دولت کس سے مانگیں کون دکھلائے انہیں — مستند لیٹر پہ تحریر اورتصدیقی بیاں
آپ کی بیماریاں مشغولیاں دینی تمام — تھی کرامت آپ کی کہتی ہے یہ خلق جہاں
آپ سے مسرور انساں منتظر حورو ملک — منتظر ارباب جنت منتظر اہل سماں
آپ کی رحلت سے مجھ پر خوب تر واضح ہوا — جذبۂ فاروق اورصدیق اکبر کابیاں

دل دماغ وعقل سب مفلوج ہیں انجم ترے
کیا توسوچے کیا لکھے اورکیا کرے گاتوبیاں

قطعہ تاریخ بر سانحۂ ارتحال

قطب زماں حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب نور اللہ مرقدہ

قاری صدیق کا تھا منصب عزت جدا
ان کا تقویٰ ان کی برکت ان کی تھی صحبت جدا
مرشدِ کامل میں تھا اک فیض بابرکت جدا
اپنوں بیگانوں پہ یکساں جس کا تھا فیض کرم
ہوگیا افسوس وہ اب سایۂ شفقت جدا
خدمت خلق خدا میں مفقود ہر لمحہ رہا
تھا مسلسل فیض کا ان میں ہراک ساعت جدا
ان کی تحریریں مواعظ ہوں کہ وہ خطبات ہوں
انفرادی ان کا ہر طرز ادا ندرت جدا
گلستاں علم وفن میں اب خزاں سی چھاگئی
گلستانِ علم میں اُس گل کی تھی نکہت جدا
فکر کی تاریخ رحلت جاننے کی جب رفیقؔ
یہ ندا آئی کہ لکھدو ان کی تھی عظمت جدا

نتیجۂ فکر احقر العباد
ڈاکٹر رفیق بلگرامی

حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ ایک مردم ساز شخصیت

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ أجمعین

از۔ مولانا احمد کمال عبدالرحمٰن ندوی

اپنے زمانہ کے جنید وشبلی، مردم ساز ومردم شناس شخصیت، تیسیر الحصول، واعظ وخطیب، مقبول ہر خاص وعام، تواضع وانکساری کے پیکر، زہد وتقویٰ کے مجسمہ، نیم شبی کے خوگر، کہنہ مشق استاذ ومربی، درجنوں کتابوں کے مصنف عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ سے ملاقات کی سعادت کافی تاخیر سے ہوئی۔ غالباً ۱۹۸۷ء کا زمانہ ہے جب میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فراغت کے بعد بحیثیت استاذ، جامعۃ الرشاد شہر اعظم گڑھ حاضر ہوا وہاں قیام کے دوران ایک دعوتی سفر بانی وناظم جامعۃ الرشاد استاذ محترم حضرت مولانا مجیب اللہ ندویؒ کے حکم سے ممبئی مہاراشٹر کا ہوا حسن اتفاق اس وقت قاری صاحب بھی ممبئی میں تشریف فرما تھے۔ ممبئی میں میرا قیام عام طور پر اپنے ایک دیرینہ رفیق حضرت مولانا عمر صاحب ندوی مدنی ناظم مدرسہ رحمانیہ مدن پورہ کے پاس ہوا کرتا تھا۔ اور حضرت قاری صاحب کا بھی قیام اسی کے قریب احمد بھائی بیکری والے کے دولت خانہ پر تھا، میں نے اس سنہری موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنے رفیق درس حضرت مولانا عمر صاحب گجراتی ندوی کی معیت میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت کے دانت میں شدید تکلیف تھی جس کی وجہ سے حضرت نے عصر کی نماز قیام گاہ ہی پر ادا فرمائی۔ چارپائی پر لیٹ گئے میں اور مولانا عمر صاحب نیز دیگر احباب فرش پر بیٹھ گئے، جب تک ایک میرے دیرینہ استاذ حضرت مولانا مستقیم احسن اعظمی تشریف لائے جگہ کی تنگی کی وجہ سے مجھے کافی پیچھے ہٹنا پڑا تا کہ قاری ولی اللہ صاحب کو جگہ مل جائے اس کے بعد حضرت نے مجلس پر ایک طائرانہ عقابی نظر ڈالی اس مجلس میں جب مجھ پر نظر پڑی تو دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ میرے جواب دینے سے پہلے میرے استاذ حضرت مولانا مستقیم احسن

اعظمی صاحب نے میرا تعارف کرادیا۔ اس کے بعد حضرت کے خادم دوالیکر آئے تو حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ نے یہ دوا میری طرف بڑھادی اور یہ فرمایا کہ اس پر دعا کر دیجئے۔ چنانچہ الامر فوق الادب کے تحت میں نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کردیا، اور حضرت نے اس کو پانی سے لے لیا، اس کے بعد مجلس برخاست ہوگئی۔ درد کی شدت کی وجہ سے حضرت کسی سے مصافحہ نہیں فرمایا مگر میں جب رخصت ہونے لگا تو حضرت نے مصافحہ کیلئے خود ہی ہاتھ بڑھادیا، اس واقعہ سے میں کافی متاثر ہوا اور یقین ہوگیا کہ اس شخص کا باطن روشن ہے اس کو رشن ضمیری کی دولت حاصل ہے اس وقت سے حضرت سے میرا تعلق قائم ہوا اس سے میرے رفیق درس مولانا عمر صاحب مدنی بھی کافی متاثر نظر آئے۔ اللہ والوں کے یہاں اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جو روشن ضمیری کی علامت ہوتے ہیں۔

حضرت قاری صاحب سے دوسری ملاقات اس وقت ہوئی جب میں نے جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں قیام کے دوران ہی اپنے علاقہ پر ہیا، کسیا ضلع کشی نگر میں جامعہ عمر فاروق کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد ۱۹۸۹ء میں ڈالی اور اس کا دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے تعلیمی الحاق کرایا، غالباً ۱۹۹۱ء کا واقعہ ہے کہ اس علاقہ کے ایک صوفی صفت بزرگ حضرت سے تعلق رکھنے والے کی دعوت پر حضرت قاری صاحب کا ایک دعوتی وتربیتی سفر کشی نگر کا ہوا۔ اس وقت حضرت کے وفد میں میرے ایک رفیق مفتی عزیز الرحمٰن صاحب چمپارنی بھی شریک تھے۔ انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ صوفی ضمیر الدین صاحب کو چیا مٹھیا کی دعوت پر تشریف لے جارہے ہیں اور حضرت کا گزر کسیا سے ہوگا۔ اس موقع کو میں نے غنیمت سمجھا مغنی صاحب سے میں نے درخواست کی کہ آپ میری طرف سے حضرت کو دعوت دیجئے کہ صرف دعا کیلئے تشریف لائیں چنانچہ حضرت نے اس ناچیز کی درخواست کو قبول فرمایا اور حضرت تشریف لائے اس وقت سارا مدرسہ سفالہ پوش تھا۔ دفتر بھی ایک چھپر میں تھا۔ میں نے جب حضرت سے درخواست کی کہ طلبہ اور اساتذہ کو کچھ نصیحت فرمادیں تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے مجھ کو

صرف دعا کیلئے بلایا ہے۔ چنانچہ دعا کیلئے سارے طلبہ واساتذہ مسجد میں جمع ہو گئے دعا سے پہلے میں نے چند تمہیدی کلمات عرض کئے اور بزرگان دین سے اپنی نسبت کا بھی ذکر کیا تو حضرت نے فرمایا کہ کرسی منگاؤ چنانچہ حضرت نے مسلسل ۴۵ منٹ بیان فرمایا اور اس ناچیز کی کافی ہمت افزائی فرمائی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء.

حضرت قاری صاحب کے دعوتی وتربیتی اسفار ملک گیر پیمانہ پر ہوتے رہتے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے علاوہ برادران وطن بھی حضرت سے کافی مانوس تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو مقبولیت کے ساتھ محبوبیت کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ باندہ جیسے شوریدہ وبنجر زمین حضرت کے قدم پڑتے ہی لہلہا اٹھی اور زرخیز ہو گئی اور تشنگان علوم نبوت کیلئے آبِ حیواں اور بندگان خدا کیلئے مرجع بن گئی اللہ تعالیٰ حضرتِ قاری صاحب کی غیر معمولی خدمات کو قبول فرمائے اور اپنی شایان شان نعم البدل عطا فرمائے۔

ایسی عظیم شخصیت کے حالات زندگی کو قلم بند کرنے اور ایک اچھوتے انداز میں پیش کرنے والے اپنے دینی بھائی وکرم فرما محترم ڈاکٹر طٰہٰ فاروقی صاحب کو قلبی مبارکباد پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس والہانہ تعلق ومحبت اور بزرگان دین سے وابستگی کو قبول عام عطا فرمائے اور حضرت قاری صاحب کی زندگی پر جتنے بھی سوانح کے نام سے کتابیں شائع ہو چکی ہیں ان میں اس کاوش کو ایک منفرد مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

خادم

احمد کمال عبدالرحمٰن ندوی

(مبعوث رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ)

بانی وناظم جامعہ رحمانیہ اسلامیہ، رحمان نگر سمرابرو، کٹھ کوٹھاں، کشی نگر

حضرت مولانا قاری صدیق باندویؒ

آپ نے ساری عمر خدمت دین میں گذاری

شیخ زاہد حسین

حضرت مولانا حافظ قاری صدیق احمد باندوی صاحب قطب الوقت بانی جامعہ عربیہ ہتھورا کی رحلت کا سانحہ اہل اسلام کے لئے انتہائی خسارہ کا سانحہ ثابت ہوا۔ قدرت کا یہ قانون ہے اور ہمارا ابھی یہ ایمان ہے کہ ہر جاندار کا ایک نہ ایک دن معین ہے اس کو مرنا ہے۔ آپ کی وصال کی خبر آدھے گھنٹے میں تمام ملک کے کونے کونے میں پہنچ گئی۔ ہر ملت وقوم کے لوگ اس ناگہانی موت پر یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ہمیں اگر یہ معلوم ہوتا کہ حضرت اتنی جلدی ہم سے جدا ہو جائیں گے تو ہم ان کا دامن نہ چھوڑتے اور ان کی صحبت، ان کی دعاؤں، ان کی نصیحتوں کے سایہ میں ان کے ساتھ رہتے۔ مولانا قاری حضرت صدیق احمد صاحب کے ہمراہ رہنا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی ایسے مقام پر آ گئے ہیں جہاں قلب کو سکون مل رہا ہے ہے اور کسی قسم کا خوف طبیعت میں نہیں ہے۔ جہاں تک میرا اور میرے خاندان کا معاملہ ہے حضرت کے کافی قریب تھے لیکن کبھی آپ کی درسگاہ کا دیدار کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اتفاقاً میرے قلب میں ہوک سی اٹھی تھی کہ حضرت کا دیدار کرنا چاہئے

کر آپ کی درسگاہ کی بہت تعریف سنی ہے اس کی عکاسی کروں۔ کیونکہ حضرت کا وہ جامعہ
ہتھورا جو جنگل میں منگل قائم کئے ہوئے تھا اس کو بھی قریب سے دیکھا جائے اور حضرت
کے دیدار اور شرفِ ملاقات حاصل کر کے کچھ دعائیں اور ایمان کی تازگی حاصل کریں۔
دل میں سچی لگن تھی۔ ۱۸ اگست ۱۹۹۷ء کو رکشا بندھن کی تعطیل پڑ گئی اور ہم لوگ حضرت کی
قدم بوسی کے لئے روانہ ہو گئے۔ میرے ہمراہ مولانا کے بہت ہی چہیتے شاگرد حافظ مولانا
محفوظ احمد اور اشرف حسین و آفاق حسین اور میرے دو صاحبزادے ہتھورا کے لئے روانہ
ہو گئے۔ ہم لوگوں کو سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ کہیں حضرت سفر میں نہ ہوں کیونکہ
آپ کا زیادہ تر وقت دوروں میں گزرتا تھا۔ ڈھائی گھنٹے کی مسافت طے کر کے ہتھورا پہنچ
گئے۔ راستے میں ہم کو جنگلی جانور بھی نظر آئے جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ علاقہ زیادہ
آبادی سے گنجان نہیں ہے۔ حضرت کی درسگاہ کا ایک بورڈ جو شاید سیمنٹ کا بنا ہوا تھا نظر
آیا۔ جس پر بہت ہی بڑے لفظوں میں مدرسہ جامعہ عربیہ ہتھورا تحریر تھا اور مدرسے کی
عمارت کی طرف جانے کی ترجمانی کر رہا تھا۔ ہم سڑک کی دائیں جانب مڑ گئے اور تھوڑی
دور پہنچے تھے کہ ایک چھوٹا سا پل نظر آیا جس کے نیچے سے ندی بہہ رہی تھی۔ پورا علاقہ
شاداب اور سبزہ زار تھا۔ ندی کے کنارے کنارے بڑے ہی تناور درخت کھڑے ہوئے
تھے جن کے سایہ میں بہت سے مویشی بیٹھے ہوئے آرام کر رہے تھے۔ پل کو جیسے ہی عبور کیا
تھا کہ ایک شاہی عیدگاہ نظر آئی اور اس کے جنوب میں پیچھے ایک لق و دق دودھ کی طرح
سفید عمارت نمودار ہوئی ایسا لگا جیسے اس جنگل میں یہ طلسمی محل اپنی شان بے نیازی سے کھڑا
ہے۔ بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی دوسری مخلوق کا اس کی تعمیر میں ہاتھ ہو۔ بہر حال کئی
دروازوں اور پھاٹکوں کو پار کر کے ہم مہمان خانہ کی حدود میں پہنچ گئے اور فوراً حضرت کے
لئے بڑی بے چینی سے معلوم کرنے لگے جہاں یہ معلوم کر کے کہ حضرت موجود ہیں ہم
لوگوں کے چہرے ہشاش بشاش ہو گئے۔ ظہر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ آناً فاناً مسجد

میں جا کر حوض کے پانی سے وضو کیا اور مسجد کے اندرونی حصے میں نماز ظہر کی جماعت کا
انتظار کرنے لگے۔ جس صف میں ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے ہمارے دونوں جانب مدرسے
کے فرشتہ صفت سفید لباس میں ملبوس طالب علم جلوہ افروز تھے۔ میں نے ان سے مصافحہ کیا
جن کے لب کلام پاک کی کسی آیت کا ورد کرنے سے حرکت کر رہے تھے جس سے یہ ظاہر
ہو رہا تھا کہ یہ طالب علم یا تو حافظہ کر رہے تھے یا عبادت گذاری کی نیت سے کسی آیت کو
پڑھ رہے تھے۔ تھوڑے ہی وقت کے بعد جماعت کھڑی ہوگئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے مسجد
نمازیوں سے بھر گئی۔ بڑے اہتمام سے امام صاحب نے نماز پڑھائی۔ سنتوں وغیرہ سے
فارغ ہو کر ہم اس جستجو میں لگ گئے کہ حضرت سے کیسے ملاقات کا شرف حاصل کیا جائے۔
وہاں کے طالب علم اور اساتذہ سے معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت نے بھی نماز جماعت
سے ادا کی ہے اور اب اپنے حجرے میں طالب علموں کو درس دیں گے۔ اگر آپ لوگ
ملاقات کرنا چاہتے ہیں تو یہ بہترین موقع ہے اس کے بعد حضرت کو فرصت ملنا محال ہے۔
چنانچہ ایسا ہی ہوا مسجد کے دروازے پر اور بھی لوگ جو شاید گاؤں کے رہنے والے غیر مسلم
حضرات تھے درشن کرنے کیلئے بیتاب تھے۔ اللہ کا نام لے کر ہم لوگ حجرے میں داخل
ہوگئے۔ حضرت نے بڑے تپاک سے ہم لوگوں سے مصافحہ کیا اور اپنی نظر عنایت سے نوازا
اور حافظ مفتی زید صاحب کو ہدایت دی کہ آپ ان لوگوں کا خیال رکھئے اور مہمان خانے
میں لے جا کر کھانا کھلایئے۔ مفتی زید صاحب نے مولانا کے بہت قریب نوجوان منتظمین
میں سے تھے اور مدرسے میں درس بھی دیتے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت کی طبیعت اتنی
ناساز تھی کہ آپ چارپائی پر تکیوں کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے چہرہ چودھویں کے چاند کی
طرح روشن تھا۔ ہاتھوں میں ملائمیت اور حرارت ایسی تھی جیسے روئی کے گالے میں ہاتھ ڈال
دیا ہو۔ آپ کی چارپائی کے چاروں طرف درجہ کے طالب علم اپنی اپنی درسی کتابیں کھولے
ہوئے سبق لینے کے لئے منتظر تھے۔ حضرت اتنی نقاہت اور کمزوری کے ہوتے ہوئے

اپنے فرض سے بالکل کوتاہی نہیں برت رہے تھے۔ لوگوں نے زیادہ دیر مخل ہونا مناسب نہیں سمجھا اور حجرے سے باہر آگئے۔ ہمارے ساتھ ہی مفتی زید صاحب بھی تشریف لے آئے اور فرمانے لگے حضرت کی خواہش ہے کہ آپ حضرات کھانا نوش فرمالیں۔ لہذا ہم لوگوں میں اتنی جرأت کہاں کہ منع کرتے مہمان خانے میں پہنچے۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ہر کام بڑی تیز رفتاری سے ہو رہا تھا۔ بہت کم لمحات میں دستر خوان بچھا دیا گیا اور کھانا چن دیا گیا۔ ہم لوگوں نے بسم اللہ کہہ کر شروعات کردی۔ کھانے سے فارغ ہوکر اطراف میں نگاہ دوڑائی تو مہمان خانے سے باہر کا منظر بہت خوبصورت تھا جہاں ہرن نظر آنے لگے تھے۔ باہر نکلے تو عجب سماں تھا، بادل چھائے ہوئے تھے، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے، چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آرہی تھی۔ مدرسہ کا ماحول ایک ایسا سکون بخش ہو رہا تھا کہ طبیعت میں عجیب فرحت محسوس ہو رہی تھی۔ چاروں سمت طالب علم اپنی اپنی کلاسوں میں پڑھائی میں مشغول نظر آرہے تھے۔ اس وقت مفتی زید صاحب تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ آپ کے آنے کا جو بھی مقصد ہو بتا دیجئے تاکہ حضرت تک آپ کا پیغام پہنچا دیا جائے۔ میں نے کہا کہ حضرت کا شرف ملاقات ہمارا مقصد ہے بس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے میں حضرت سے کہہ دیتا ہوں جب تک آپ لائبریری میں ان کتابوں کو دیکھ لیں جو حضرت نے تصنیف فرمائی ہیں۔ اس کے علاوہ اور کتابیں ملیں گی اس سے اچھی کیا بات تھی۔ ہم لوگ لائبریری میں چلے گئے وہاں کے ناظم لائبریری مولانا باب الدین صاحب نے بڑی خندہ پیشانی سے ہم لوگوں کو خوش آمدید کہا اور مختلف کتابیں دکھائیں اور کچھ فی سبیل اللہ لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے دے دیں۔ اس وقت مفتی زید صاحب تشریف لائے فرمانے لگے کہ حضرت نے آپ لوگوں کو یاد کیا ہے جو لوگ بغیر کسی غرض کے آتے ہیں حضرت ان سے مل کر بہت مسرت محسوس کرتے ہیں جنھیں کسی گنڈے تعویذ وغیرہ کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔ ہم لوگ حضرت کا

پیغام سن کر خوش ہوئے اور حضرت کے حجرے کی جانب روانہ ہو گئے۔ حضرت نے بڑے پر تپاک سے ہم لوگوں کے سر پر دست شفقت پھیرا اور دعائیں دیں۔

مسجد سے لائبریری اور درجوں سے گزرتے ہوئے بڑے پھاٹک کی طرف آرہے تھے تو پوری عمارت میں خاموشی چھائی ہوئی تھی ہر جگہ کلاسیں لگ چکی تھیں طالب علم جو ظہر کی نماز کے وقت پندرہ سولہ سو دکھائی دے رہے تھے اب ایک بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ بالکل پرسکون سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہم آہستہ آہستہ اس مقام سے جہاں فرشتوں اور جنات کا بھی دورہ ہوتا رہتا ہے دور ہوتے گئے۔

ابھی دس دن ہی گزرے تھے کہ حضرت کے وصال کی خبر کانوں میں گونجنے لگی۔ ہر جگہ ہر بندے کی زبان پر آپ کا تذکرہ تھا۔ آپ کی کرامات، آپ کے علم، آپ کے حوصلے خدمت خلق کا ذکر ہی پورے علاقے میں سنائی پڑتا تھا۔ ایک جم غفیر ہتھورا سرزمین کی طرف یہ ناگہانی خبر سن کر امنڈ پڑا تھا۔ یہ تکلیف دہ خبر سن کر ہم سے بھی نہیں رہا گیا اور اپنے محسن حضرت قاری حافظ محمد صدیق احمد صاحب باندوی کے آخری دیدار کی نیت سے کانپور سے ہتھورا کی جانب روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابر رحمت آج پورے شباب پر ہے۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ قاری صدیق صاحب کے پروانے اپنی دھن اور رفاقت سے ہر مشکل کا مقابلہ کرتے ہوئے بڑھے چلے جارہے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ بسوں، کاروں، موٹر سائیکلوں، اسکوٹروں کا ایک ایسا قافلہ گامزن ہے جس کا شاید ایک سرا کانپور میں ہے اور دوسرا سرا ہتھورا باندہ میں ہے۔ ہم لوگ وقت مقررہ پر پہنچ گئے۔ نماز جنازہ کا اہتمام ختم ہوا۔ گہوارے پر پودی بانس باندھ دئے گئے تھے تاکہ لوگ آسانی سے اپنے محبوب بزرگ کو کاندھا دے سکیں لیکن مجمع اتنا زبردست تھا کہ دور دور تک انسانوں کے سر ایسے نظر آرہے تھے کہ جیسے سمندر میں طغیانی آگئی ہو۔ لوگوں کی تعداد کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ چاروں طرف سفید پوش اور سفید ٹوپیاں پہنے کتنے ہی سر فضا میں لہراتے حرکت کرتے

نظر آرہے تھے کوئی شمار کوئی گنتی کا اندازہ نہیں تھا۔ مدرسے اور مدرسے کے باہر میدان میں اور سڑک کے دونوں جانب قطار در قطار ہزاروں کی تعداد میں کاریں، بسیں، موٹر سائیکلیں کھڑی نظر آرہی تھیں۔ آپ کے عقیدت مند حضرات اپنے رہبر اپنے عالم اپنے مفکر اپنے دانشور مدبر اپنے محسن اپنے معلم اپنے مبلغ اور اپنے قاری حافظ عظیم شخصیت کو آخری سلام اور مٹی دینے کے لئے خاموش پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور جو میت سے آگے کھڑے تھے شامل ہوتے جارہے تھے۔ ہر ایک کا قلب افسردہ اور غمگین تھا۔ جب قبر میں اتار کر مٹی دینے کا وقت آیا تو تھوڑے ہی لمحات میں مٹی کا فقدان ہوگیا۔ لوگوں کے قدموں اور بارش کی نمی سے بھی مٹی جم سی گئی تھی۔ لوگوں نے اپنی انگلیوں سے اپنے قلموں سے اپنے تالوں کی کنجیوں سے لکڑی کے ٹکڑوں سے پنسلوں سے مٹی کو کرید کرید کر مٹھی بھر جمع کی اور اپنے ہاتھوں سے لحد پر ڈال دی جس کو ڈالنے کے لئے بھی قطاریں بنی ہوئی تھیں۔ کافی دیر تک یہ سلسلہ چلتا رہا کافی لوگ کلام الٰہی میں مشغول ہوگئے۔ کچھ لوگوں نے واپسی کا ارادہ کیا اور پھر آنے جانے کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ ہر انسان تھکا ماندہ نڈھال سا نظر آرہا تھا جس کا ایک ایک قدم کافی وزنی ہوگیا تھا جو اٹھانے پر بھی اکڑ رہا تھا۔ ہر چہرہ افسردہ تھکا تھکا ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی ایسی قیمتی شئے اس سے جدا ہوگئی ہے جس کی تلافی مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ ہتھورا چھوڑتے وقت کا منظر نہایت ہی رنجیدہ اور تکلیف دہ تھا لیکن واپس تو آنا ہی تھا ابھی ہم لوگوں نے ہتھورا کا وہ بورڈ پار کیا تھا جو سرحد پر مدرسے کا اشارہ تھا اسی وقت مولانا حافظ محفوظ صاحب نے اپنے طالب علمی کے کچھ واقعات جو کہ مولانا سے وابستہ تھے اور جن کو مولانا محفوظ صاحب نے اور لوگوں سے بھی سنے تھے سنانا شروع کردئے۔

بہت سے حضرات اس واقعہ سے ناواقف ہوں گے کہ قاری مولانا سید صدیق صاحب جس وقت سہارنپور سے اپنی تعلیم مکمل کرکے آئے اور فتح پور میں درس دینے لگے لیکن مدرسے میں آپ کا دل نہیں لگا۔ کچھ عرصے کے بعد آپ باندہ تشریف لے گئے

اور وہاں کے حضرات سے آپ نے بہت عاجزی اور خوشامد سے کچھ زمین کا انتظام کرنے کو کہا تا کہ ایک چھوٹا سا مدرسہ بنا دیا جائے لیکن لوگوں نے توجہ نہیں دی۔ آپ بہت ہی افسردہ ہو گئے اور مجبور ہو کر اپنے آبائی گاؤں ہتھورا تشریف لے گئے اور بہت ہی غمگین خاطر ہو کر اپنی والدہ کی آغوش میں سر رکھ کر رو پڑے اور بہت درد بھری آوز میں آپ نے والدہ صاحبہ سے فرمایا کہ میں دو گز زمین مدرسے کے لئے حاصل نہیں کر سکا۔ آپ کی والدہ نے جب آپ کی روداد سنی تو انہوں نے دست شفقت سر پر پھیرا۔ ہمت دلاتے ہوئے فرمایا دل چھوٹا نہ کرو اپنے کام میں محنت و کاوش سے لگے رہو انشاء اللہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ والدہ کی دعا سے آپ کو کافی اطمینان اور تقویت پہنچی اور ہتھورا گاؤں کے ایک سایہ دار درخت کے نیچے گاؤں کے اور قرب و جوار کے بچوں کو درس دینا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی اور دھیرے دھیرے جامعہ عربیہ کی عمارتوں کی دیواریں کھڑی ہوتی چلی گئیں اور نئی عمارتوں کی بنیادیں رکھی جاتی رہیں جب بھی کوئی عمارت نو تعمیر ہوتی تو مدرسے کے لڑکے بھی ہاتھ بٹاتے۔ جب مسجد کی تعمیر ہو رہی تھی تو مولانا محفوظ نے بتایا کہ ہم اور ہمارے ہم جولی لڑکے راتوں کو اینٹیں اپنے ہاتھ سے اٹھا اٹھا کر دیتے رہے۔ یہ سلسلہ کافی دن تک چلتا رہا۔ ہتھورا کے بچھو گرمیوں میں اینٹوں کے نیچے اپنا مسکن بنا لیتے تھے اور جب اینٹوں کی نیچے کی لائن اٹھانی پڑتی تھی تو اکثر بچھو ڈس لیا کرتے تھے جس کی تکلیف سے بچے تڑپ اٹھتے، آنسو نکل آتے، ہاتھ میں سوجن آجاتی۔ آپ نے جب ایسے واقعات سنے تو زہر اتارنے والی دعا بتا دی۔ بچے بچھو کے ڈنک مارنے یا ڈس لینے سے بالکل نہیں گھبراتے جہاں ایسا واقعہ پیش آتا بچے اس دعا کو پڑھتے اور اس مقام پر دم کر دیتے زہر کا اثر ضائع ہو جاتا تھا بچے پھر اپنے کام میں لگ جاتے تھے۔ یہ تھی اللہ پاک کی کریمی جس کے کلام کے اثر سے زہر ختم ہو جاتا تھا اور بچوں میں ہمت و استقلال پیدا ہو گیا اور وہ اپنے شغل میں مستعدی سے لگے رہتے تھے۔

پختہ ایمان نیک ارادہ اور سچی بے لوث خدمت میں مولانا قاری صدیق صاحب باندوی کا طرہ امتیاز تھا جس کی برکتوں سے اور چشم دید کرامات سے اسکول ترقی کرتا رہا۔ مدرسہ بڑھتا رہا جس کی دینی معلومات سے لوگوں میں روشنی پھیلتی رہی۔ مدرسے کے لئے مولانا نے بہت ہی تکالیف برداشت کیں لیکن کبھی بھی لب سے اف تک نہیں کی اور وہ دن رات طویل سفر کرتے آرام کا کوئی اہتمام نہیں تھا پیدل چلنا مولانا کا بہت ہی اچھا مشغلہ تھا لیکن آپ سائیکل اسکوٹر کے کیریر پر بھی سفر کر لیتے تھے یہاں تک کہ ٹرک بھرے ہوئے اور بس وغیرہ سے حضرت رات رات بھر سفر کر لیتے تھے۔آپ کا یہ طرز عمل تھا کہ کام کرتے جاتے تھے آگے بڑھتے جاتے تھے۔ ساری زندگی محنت ومشقت اور خدمت خلق میں گذاردی اور دوسروں کے آرام کا پورا پورا خیال رکھا۔ ہر ایک کا دکھ درد اپنا دکھ درد سمجھ کر اس کی بھر پور مدد فرماتے تھے۔

حضرت کے تعمیر کردہ مدرسے کی عمارت بن رہی تھی تو اس وقت مدرسے میں سیور لائن نہیں پڑی تھی بیت الخلاء کے لئے قدیم پاخانے بنے ہوئے تھے جہاں طالب علم ضرورت سے فارغ ہوتے تھے کبھی کبھی ایسا ہوا جمعدار بیمار ہو جاتا یا چھٹی لے جاتا تو پھر مدرسہ میں بد بو پھیلنے لگتی تھی دوسرے دن لڑکے حاجت کیلئے جاتے تو وہاں صفائی پاتے تو ان کو بڑا تعجب ہوتا کہ مہتر تو آیا نہیں پھر یہ صفائی کیسے ہوگئی۔لڑکے اس جستجو میں رہنے لگے معلوم ہوا کہ رات کو تہجد کی نماز کے بعد حضرت کا یہ مشغلہ رہتا کہ ان میلے سے بھرے پاخانوں کی خود صفائی کر ڈالتے۔اب آپ اندازہ لگا لیجئے حضرت کے ایثار محبت کا خلوص، صفائی کی پاکیزگی کا آج کل کے دور میں ایسی شخصیت کا مالک خداوند کریم کا کوئی خاص بندہ ہوسکتا ہے۔

حضرت کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ آپ کے صاحبزادے بیمار ہو گئے اتفاق سے باندہ کے ایک اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ ہتھورا سے حضرت باندہ تک پیدل آتے جاتے تھے۔

دونوں وقت آنے اور جانے میں حضرت ایک کلام پاک ختم کر لیتے تھے۔ اور یہ سلسلہ کافی عرصے تک چلا اکثر آپ کی بیگم باندہ جاتے وقت گھر کی مرغی کے انڈے دے دیا کرتی تھیں کہ اس کو فروخت کر کے آتے وقت سواری پر آجایا کیجئے۔ لیکن حضرت ان انڈوں کو بیچ کر طالب علموں کے لئے بہت سی چیزیں خرید لاتے تھے جیسے صابن، مسواک، کاپیاں، قلم دوات وغیرہ وغیرہ۔

ایک مرتبہ حضرت مدرسہ کے لئے کچھ رقم لیکر آرہے تھے راستے میں جہاں سے مدرسے کے لئے سڑک مڑتی ہے بورڈ لگا ہے وہاں ڈاکوؤں نے آپ کو گھیر لیا حضرت سے کہا کہ یہ رقم ہم کو دیدیجئے۔ آپ نے فرمایا یہ پیسہ مدرسے کی امانت ہے میں نہیں دے سکتا خود لینا چاہو تو لے لو۔ چنانچہ ڈاکوؤں نے سواری سے وہ رقم کا تھیلا اٹھالیا۔ رات کا وقت تھا آپ مدرسے میں تشریف لے آئے۔ صبح فجر کی نماز کے بعد چند طالب علموں کو اس مقام پر بھیجا اور کہا کہ موڑ پر چند لوگ کھڑے ہوں گے ان کو اپنے ہمراہ لے آؤ، جب لڑکے اس مقام پر پہنچے تو وہ ڈاکو عجیب انداز سے وہاں جمے کھڑے ہوئے تھے جن میں جنبش نہیں تھی کسی کے ہاتھ میں تھیلا تھا تو کسی کا ہاتھ اوپر کی جانب اٹھا ہوا تھا اور ایک جھکا ہوا تھا۔ لڑکوں نے ان سے کہا چلو حضرت نے بلایا ہے تو وہ بولنے لگے کہ ہمیں تو زمین نے پکڑ رکھا ہے کیسے چلیں۔ لڑکوں نے جب زور دے کر کہا کہ حضرت یاد کر رہے ہیں تو ان میں حرکت ہوآئی اور لڑکوں کے ساتھ چل دئے۔ جیسے ہی حضرت کے پاس آئے پیروں پر گر گئے اور معافی تلافی مانگنے لگے آپ نے معاف کر دیا۔

☆☆☆
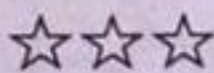
انسانیت کے بہی خواہ حضرت قاری صدیق باندویؒ

یونس علی ایڈوکیٹ

دبستان فکر وعمل کے گل انسانیت کے فصل بہار حضرت اقدس قاری صدیق صاحب سے راقم کی ذہنی وفکری اوران کی عملی جدوجہد اورکوشش نے ہمارے ہی دل میں گھرنہیں کیا تھا بلکہ یوں کہا جائے کہ تمام طبقوں اور حلقوں میں گھر کرلیا تھا آپ کا مقام ومرتبہ اولیاؤں جیسا تھا کہ آپ کے طور وطریق صوفیائے متقدمین اسلاف کرام جیسا تھا۔ حضرت کاایک خاصہ یہ تھا کہ جب کوئی آپ کے پاس سفارش کیلئے آتا تو اس کی سفارش کو نہیں ٹھکراتے اس سلسلہ میں اکثر فرماتے سیاسی لیڈران کسی بات وغیرہ کونہیں سنتے ہیں کیا کیا جائے ان کو بھگانا اچھانہیں یہ بھی فرماتے کہ میری ذات سے کسی کوتکلیف نہ پہنچنی چاہئے۔مہمان نوازی کاتو یہ حال تھا کہ حضرت کے پاس کوئی باندہ آتا تو اسے بغیر کھانا کھلائے واپس نہ کرتے اگر آپ کا کہیں سفر ہوتا تو سفر کرنے سے پہلے لوگوں کو تاکید فرماتے کہ مہمانوں کا خیال رکھنا ان کوتکلیف نہ پہنچنی چاہئے سفر کرتے وقت اس بات کا لحاظ رکھنے کے جوراستے ہیں ان کے ساتھ سفر میں ہوتے حتی المقدور کھلاتے پلاتے۔

رہامسئلہ تصوف وبزرگی انابت الٰہیہ کاتو آپ کی شخصیت تصوف کے میدان میں خاص رہنما کی سی تھی آپ عمل وقول میں ایک ،شرافت وبزرگی آپ کا ثانی ملنا مشکل،عملی زندگی میں منفرد تھے،بلاشبہ آپ کی مثال شاہ عبدالقادر جیلانیؒ،شاہ معین الدین چشتیؒ سے دی

جاسکتی تھی جنہوں نے قوم کی خدمت کی میدان عمل میں بے مثال کارنامے انجام دئے حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کا عالم یہ تھا کہ دنیا کی لذتوں، آرام وآسائش کو چھوڑ کر خدا کی طرف پورے طریقہ سے متوجہ ہوتے تھے۔ درحقیقت حضرت زہد وتقویٰ کے حسین نمونہ تھے۔ مولانا کہیں کا بھی سفر کرتے تو ہر جگہ لوگوں کا ایک تانتا بندھ جاتا چاروں طرف سے سیلاب نظر آتا وہ اس وجہ سے ہر شخص دعا وتعویذ کا منتظر رہتا تو حضرت بغیر کسی انکار کے ان کے تمام خواہشوں کو پورا کرتے۔

آپ کے ذی علم ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ دواخانہ کا پیسہ ضرورتمندوں کو دے دیا کروتا کہ ان کی ضرورتیں پوری ہوجائیں۔ جس جگہ سے آپ کا گذر ہوتا تھا اگر یہ معلوم ہوتا کہ قریب میں کوئی شخص حالت مرض میں ہے تو اس کی عیادت فرماتے اس کی خبر وخیریت لیتے یہ بھی آپ کی انسانیت نوازی حسن سلوک، دوسری طرف ان تمام خوبیوں کے احاطہ کے ساتھ ساتھ دنیا سے غفلت، سادگی وانکساری، خودداری، بے نیازی، شرافت ونیکی خلوص وللّٰہیت انابت الی اللہ ان کی شخصیت کے نمایاں جوہر تھے اس مرد درویش نے اللہ کی رضا جوئی اور اس کے ثواب کے امید سے اپنے آپ کو فنا کردیا تھا اس نے اپنی تمام تر زندگی ملک وملت کیلئے لگادی تھی۔

انہوں نے دنیا کے لوگوں کو انسانیت کا بھائی چارہ کا اخوت ومحبت کا سبق پڑھایا اور بڑھاپے کے عالم میں ہر شخص ان کے دامن فیض ۔ مستفید ہوا حضرت کی کشش کا حال یہ تھا کہ ہر وہ شخص جس کو تھوڑی بھی عقیدت وانسیت تھی اس نے استفادہ کیا ہر شخص اپنے کو حضرت سے قریب سمجھتا ان کے پاس بیٹھتا اور ان سے دعائیں لیتا یہ سب اٹھنا بیٹھنا تمام پریشانیوں کا مداوا ہوتا راقم کو جب بھی حضرت سے ملاقات کا موقع ملا تو اس کو قیمتی سرمایہ سمجھا۔

مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے

☆☆☆

پیرومرشد حضرت قاری صاحب علیہ الرحمۃ

ڈاکٹر غوث احمد قریشی

تقریباً دس سال پہلے جب نرسنگ ہوم بنانے کا خیالؒ آیا اور میں نے اللہ کی رحمت وقدرت کے سہارے اس کی تعمیر کا آغاز کر دیا چند ہی دنوں میں اس کی ایک شکل ابھر کر سامنے آ گئی، خواہش تھی کہ اس کا افتتاح دنیاوی راہ ورسم کے بجائے کسی بزرگ سے کرایا جائے۔ حضرت قاری صاحب کے نام نامی سے واقف تھا لیکن نیاز مندی کا شرف اس وقت تک مجھے حاصل نہیں تھا۔ تعارف بھی نہیں تھا لیکن درخواست کی گئی تو از راہ کرم قبول فرمالی تشریف لائے، نیچے کے نو تعمیر کمروں کو دیکھا اور ایک کمرے میں ہم لوگوں کی گذارش کے بعد لیٹ گئے۔ حضرت کو قلب کی شکایت رہتی تھی چنانچہ وہیں ای۔ سی۔ جی کیا گیا حضرت نے دعا فرمائی اور افتتاح ہو گیا۔ میرے بڑے بھائی صاحب ڈاکٹر عرفان احمد قریشی جو حضرت کو باندہ سے لے کر آئے تھے وہ ہر لمحہ ساتھ ساتھ رہے۔ ہم لوگوں کو یقین ہے کہ حضرت کی دعائیں قبول ہوئیں۔ خود حضرتؒ نے اپنی کرم فرمائیوں کی بارش کر دی ہم لوگ ان کے فیوض و برکات اور لطف ومحبت سے آخری لمحہ تک فیض یاب وسرشار ہوتے رہے۔ اس درمیان مجھے حضرت والا سے بیعت کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ اللہ کی بے شمار عنایتوں اور رحمتوں میں ایک بڑی نمایاں عنایت ورحمت نرسنگ ہوم کے تعلق

سے میرے حصہ میں یہ آئی کہ بزرگوں اور دینی شخصیتوں کی خدمت کے مواقع میسر آتے رہے ان کی دعائیں حاصل ہوتی رہیں اور ان کی برکتوں سے مالا مال ہوتے رہے۔ حضرت قاری صاحب کا معاملہ بالکل جداگانہ تھا حضرت کی محبت کا انداز بالکل مختلف تھا انہوں نے ازراہِ کرم اپنے تعلق کا جو مظاہرہ فرمایا وہ میری حیثیت اور استحقاق سے بہت بلند و بالا تھا۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ حضرت کی نگاہوں میں میرے لئے محبت کی چمک ایسی ظاہر ہوتی تھی کہ لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ حضرت کی کیفیتوں میں میرے لئے محبت شامل ہے۔ میرا غریب خانہ اور حضرت کی دعاؤں سے قائم ہوا شفا خانہ اس لحاظ سے متعارف ہوا کہ لکھنؤ میں اسے حضرت کی قیام گاہ سمجھا گیا۔ یہ غلط بھی نہیں تھا، حاجی غلام حسنین صاحب اور بھائی طلحہ کے بعد یہ خوش بختی میرے ہی حصہ میں آئی تھی۔ پپو بھائی، مولانا محمد زکریا صاحب، مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب اور مولانا عبدالعلی فاروقی صاحب سب اس رمز سے واقف تھے۔ ایسا کیوں تھا یہ اللہ جانے اس کی مصلحت و مشیت کے منفرد انداز ہیں۔ میں ہمیشہ اس پر شکر ادا کرتا ہوں اور اللہ سے اس کیلئے مزید توفیق کی دعا کرتا رہتا ہوں۔

حضرت قاری صاحب کی کرم فرمائیوں اور اپنی نیاز مندیوں کے ان دس برسوں میں مختلف انداز اور کیفیتوں کا مشاہدہ ہوتا رہا ہے۔ بہت قریب سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا شب و روز کے معمولات بھی دیکھے۔ انتہائی سادہ زندگی میں عظمتوں کی رونقیں بھی نظر آئیں صحیح معنوں میں بزرگ اور عالم دین اور روحانی سطح پر جلوہ افروز اس شخصیت کو دیکھ کر اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ اللہ نے انہیں کس مقام بلند تک پہنچا دیا تھا۔ لوگ اپنی غرض کیلئے دعا پھونک اور تعویذ کی طلب و تمنا میں آرام و راحت کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے لیکن حضرت کے چہرہ پر کبھی ناگواری کے اثرات نمایاں نہیں ہوتے تھے۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔ بعض وقت تو حضرت کی کرامت ظاہر ہوتی تھی۔ کسی

ندگی اطلاع کے بغیر اچانک تشریف لاتے یاذرادیر قبل معلوم ہوتا اور تشریف لاتے ہی لوگ
دیوانہ وار دوڑ پڑتے۔ حیرت ہوتی تھی کہ لوگوں کو اطلاع کیسے ہوئی۔ ذاتی طور پر اپنی اولاد
افرادِ خاندان اور اعزا کے لیے بیماری اور پریشانی میں فکرمند بھی نظر آتے تھے لیکن اس موقع پر
ان قرآن وحدیث کی روشنی میں صبر واستقامت کا درس جاری رہتا تھا۔

وفات کے کچھ دنوں قبل حضرت نے اپنے مدرسہ میں معمول کے مطابق نماز
لثناء کے بعد طلباء سے فرمایا تھا۔

''تم دیکھ لو کہ تمہاری زندگی کیسی گذر رہی ہے۔ ہماری حرکتیں تو ایسی ہین
کہ ایمان والوں کی فہرست سے ہمارا نام ہی کٹ جانا چاہئے موت کے
وقت پتہ چلے گا ہم کیا لے کر جارہے ہیں اس وقت چھٹنی ہوگی اور آدمی تمنا
کرے گا کاش تھوڑی مہلت مل جائے کچھ نیک کام کرلوں لیکن اس وقت
مہلت نہ ملے گی آدمی کہیں سفر میں جاتا ہے کچھ تیاری کر کے جاتا ہے کچھ
انتظام کر کے جاتا ہے وہاں بھی کچھ لے کر جاتا ہے دنیاوی سفر کی طرح
ایک سفر آخرت کا بھی ہے وہاں بھی جانا ہے اس کے لئے کیا سامان تیار کیا
اور وہاں کیا لے کر جانا ہے''۔ ''جو بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے اللہ
اس کی مدد میں ہوتا ہے جو شخص اس دنیا میں کسی کے کام آئے گا کسی کی کوئی
پریشانی دور کرے گا اللہ اس کیلئے آخرت کی منزل آسان کرے گا
اور آخرت کی پریشانی دور کرے گا''۔

رے پیرومرشد حضرت قاری صاحبؒ اس دنیا میں نہیں رہ گئے لیکن ان کے فیوض
کات کا سلسلہ جاری رہے گا اور ان کے ملفوظات زندگی میں رہنمائی کرتے رہیں گے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

☆☆☆

ایسے تھے حضرت مولانا قاری صدیق باندویؒ

ڈاکٹر نعیم حامد

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب سے میری پہلی ملاقات تقریباً ۲۲ سال قبل للولی (ضلع پور) جو جمنا ندی کے کنارے واقع ہے ہوئی تھی۔ مجھے ایک ڈاکٹر کے مطب کے افتتاح سلسلہ میں بلایا گیا تھا۔ میرے ساتھ عبدالغفار ایڈوکیٹ، افضل مصطفےٰ و کچھ دیگر حضرات تھے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ہتھورا کے مولانا صدیق صاحب بھی افتتاح میں شرکت لئے آرہے ہیں میرے پہنچنے کے کچھ دیر بعد ایک ٹرک سے چار مولانا حضرات اترے۔ بتایا گیا کہ قاری صدیق صاحب آگئے، قاری صاحب کے بارے میں یہ خبر عام تھی کہ وہ ا گذرتے ہوئے ٹرک روک لیتے تھے اور اسی سے باندہ سے فتح پور یا کانپور آتے جاتے اور کفایت کے پیش نظر کار کے استعمال سے گریز کرتے تھے۔ جو چار علماء آئے ان کا لبا اور ٹوپی وغیرہ سب ایک ہی طرح کا اور بہت سادگی والا تھا۔ کسی نے مجھے بتایا کچھ نہیں، لیکن ان چار میں کون مولانا صدیق صاحب ہیں یہ مجھے اپنے آپ معلوم ہو گیا۔ ان کے چہرہ ایک نور اور کشش کا احساس مجھے ہوا۔ افتتاح کے لئے میں نے ان سے گذارش کی

ں نے کہا کہ میں تو صرف شرکت کرنے آیا ہوں اور افتتاح تو آپ کو کرنے کیلئے بلایا
ہے اس لئے آپ ہی کریں۔ حضرت مولانا کی موجودگی میں مجھے افتتاح کرنا بہت
ب سا لگا۔ بہرحال ان کے اصرار پر میں نے تجویز رکھی کہ انگریزی تہذیب کی طرح سے
فیتا تو کاٹ دوں گا لیکن مطب میں پہلا قدم آپ کا ہوگا اور دعا بھی آپ ہی کریں گے۔
ں نے میری یہ درخواست منظور کرلی۔ اپنی تقریر میں انہوں نے اسلام اور خدمت خلق
موضوع پر ایک پر اثر تقریر کی جو آج بھی میرے دل پر نقش ہے۔

حضرت مولانا سے ملاقات کے بعد سے ہتھورا اور باندہ کے مریضوں کو میرے
ال میں علاج کرانے کیلئے لاتے رہے۔ مریضوں کو علاج میں مدد پہنچانا، عیادت کیلئے
بار آنا، دعا کرنا انکا خاص شغل تھا۔ جب کسی مریض کو دیکھنے آتے تو پہلے اس کے پاس
تے عیادت کرتے اور جب جانے لگتے تو مجھ سے ملنے آتے۔ کبھی اگر میں ان کے آنے
ن کو دیکھ لیتا اور کوشش کرتا کہ ان کے ساتھ مریض کے پاس جاؤں تو وہ بہت محبت سے
کرتے اور مجھے ساتھ میں نہیں جانے دیتے۔ وہ کہتے کہ نہیں آپ نہ جائیں بیچارے
ریض بیٹھے ہیں ان کو دیکھئے۔ یہ طریقہ ان کا شروع سے لے کر آخر تک رہا۔ ان کو وقت
اہمیت اور دوسرے کی تکلیف کا بہت احساس تھا۔

آج سے 18-17 سال قبل جمنا ندی میں ایک بڑا سیلاب آیا تھا۔ باندہ اور فتح پور
بری طرح سے سیلاب کی تباہی سے دوچار تھا۔ میں بھی جمنا کے کنارے فتح پور ضلع کے
ہات کے علاقہ میں ریلیف کا سامان لے کر گیا۔ میرے ساتھ خان غفران زاہدی بھی
۔ میں نے سامان تقسیم کرنے کے ساتھ وہاں کے باشندوں سے دریافت کیا کہ اس سے
ے ان کی کچھ مدد ہوئی ہے کہ نہیں تو لوگوں نے بتایا کہ سرکاری لوگ تو لکھا پڑھی زیادہ کرتے
اور سامان بہت کم دیتے ہیں لیکن ہاں ہتھورا کے مولانا صدیق صاحب بہت دنوں سے
اور رات ریلیف کے کام میں مشغول رہتے ہیں۔ کبھی جمنا کے اس پار سامان بانٹتے ہیں

اور کبھی اس پار۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں نے سوچا اس زمانہ میں تقریر سے
نہیں مولانا عملی طور پر بھی خدمت خلق کی تعلیم دیتے ہیں۔ کہاں درس اور تدریس کا کا
کرنے والے مولانا اور کہاں ریلیف کے ایسے کام کہ اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنا۔ آج
چار سال قبل اس واقعہ کا جب میں نے تذکرہ حاجی جمیل صاحب (جن کے گھر پر مولا
کانپور میں قیام کرتے تھے) سے کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ سیلاب سے راحت کے کا
میں جب مولانا صدیق صاحب کا سارا فنڈ ختم ہو گیا تو کچھ ہزار روپے جوان کے ذاتی
اور جو ایک خاص مقصد کے تحت جمع کئے گئے تھے وہ بھی مولانا نے اس کام میں خر
کردئے۔ معاملہ کچھ ایسا تھا کہ مدرسہ کی پکی اور عالی شان عمارت کے عقب میں ایک
چھوٹے سے اور کچے مکان میں مولانا اور ان کے خاندان کے افراد رہتے تھے جس کے کم
کی چھت سے برسات میں پانی ٹپکا کرتا تھا۔ مولانا کئی سال سے اپنی ذاتی کمائی سے کچھ
پس انداز کر رہے تھے تا کہ اس چھت کے شگافوں کو بھرا جا سکے اور ان کی اولادیں برسا
میں رات میں پانی ٹپکنے سے بھیگنے سے بچ سکیں۔ یہ ذاتی مخصوص رقم بھی ریلیف میں لگ
اور پھر چند سال تک ان کے گھر کے افراد ٹپکتے ہوئے پانی سے بھیگتے رہے۔

تقریباً بیس سال قبل مولانا کی اہلیہ کو پتہ کی پتھری کا مرض ہوا۔ پتہ میں مواد
گیا تھا۔ میرے اسپتال میں ان کو داخل کیا گیا اور کچھ دن تک علاج ہوا۔ میں نے اور د
ڈاکٹروں نے یہ طے کیا آپریشن بعد میں ہوگا تا کہ سوجن وغیرہ ٹھیک ہو جائے اس
مولانا کی اہلیہ کو پندرہ دن کیلئے کانپور میں ہی قیام کرنا چاہئے۔ مولانا نے اس قیام کے
مسافر خانہ کا انتخاب کیا۔ میری موجودگی میں ہی یوپی ٹینری کے مالک اور رئیس ظفر الح
صاحب اور حاجی محمد سمیع صاحب نے اپنے دولت خانہ کو پیش کیا جن میں کافی جگہ خا
پڑی تھی لیکن مولانا نے ان حضرات کے بے حد اسرار کے باوجود مسافر خانہ میں ہی قیام کو
مناسب سمجھا۔ مجھے یاد ہے کہ مسافر خانہ میں پہلی منزل کا وہ کمرہ مئی جون کا مہینہ سخت گر

کا عالم اور مولانا کے خاندان کا قیام۔ آرام وآسائش کو چھوڑ کر سادگی اور صبر کے ساتھ تکلیف دہ جگہ پر رہنا اور خودداری کا پاس رکھنا آج کی دنیا میں شاید ہی دیکھنے کو مل پائے۔

حضرت مولانا جب بھی بیمار ہوتے زیادہ تر کانپور چلے آتے۔ حاجی جمیل کے گھر پر قیام کرتے۔ میں اور دیگر ڈاکٹر صاحبان ڈاکٹر محمد احمد، ڈاکٹر عالم، ڈاکٹر جمیل وغیرہ ان کو دیکھنے جاتے لیکن وہ برابر جمیل صاحب سے اصرار کرتے کہ نہیں میں خود ان کے مطب پر جاکر دکھا آؤں گا۔ ان ڈاکٹروں کا وقت بہت قیمتی ہے، یہ اتنے وقت میں اور دوسرے مریضوں کو دیکھ لیں گے۔ اب حالت یہ ہوئی کہ مولانا سخت نقاہت اور تکلیف میں جانے کیلئے بضد اور جمیل صاحب ان سے گذارش کررہے ہیں کہ مان جائیے۔ کبھی کبھی جمیل صاحب کو کامیابی مل جاتی اور کبھی نہیں۔ ایک بار سخت بیمار ہوئے میرے اسپتال میں بھرتی ہوئے۔ مولانا سید احمد ہاشمی ایم پی، سابق وزیر ریلوے جعفر شریف اور بہت سے شہروں سے لوگ ان کی عیادت کیلئے آئے۔ اسپتال والوں سے سخت تاکید کی کہ یہ سب علاج کے رقم دینا چاہیں گے لیکن شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا جائے۔ ایسا ہی ہوا۔ پھر جب مولانا کو اسپتال سے چھٹی ہونے کا دن قریب آیا تو سب کو کمرہ میں آنے کیلئے منع کر دیا اور مجھے بلایا لوگوں کو یہ احساس ہوا کہ شاید کوئی راز کی بات بتانا چاہتے ہیں۔ مجھ سے کہا کمرہ اندر سے بند کرلیں اور پھر بہت محبت اور انکساری سے اپنی مٹھی سے میری ہاتھ میں پسند انداز کی رقم دینے کی کوشش کرنے لگے۔ میں نے کہا کہ ارے مولانا یہ میں قبول نہیں کرسکتا مجھے شرمندہ نہ کیجئے لیکن انکا اصرار اور چہرہ سے وہ محبت اور خلوص کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ اف کیا سچائی تھی کیا سادگی تھی اس صحابہ کرام والی صورت میں۔

ڈاکٹروں کے مطب کے وقت تراویح کا وقت بھی ہوتا ہے تو کئی سال قبل میرے غریب خانہ پر خصوصی طور سے تراویح کا اہتمام کیا گیا جو رات میں دس بجے شروع ہوتی اور جس کا ختم قرآن دس رمضان کو ہوا کرتا۔ حضرت مولانا بڑی پابندی سے اس میں

شرکت کرتے تھے اور ان کی تقریر اور دعا سے ہم سب مستفیض ہوتے تھے۔ وہ اس تراویح کا ذکر پورے ہندوستان و دیگر ممالک میں اپنی تقریروں میں کیا کرتے تھے۔ اس میں ایک تقریر میں ایک واقعہ انہوں نے بیان کیا تھا جس کا ذکر میں یہاں کرنا چاہوں گا۔ چند سال قبل جھانسی میں ایک بس کا ایکسیڈنٹ ہوا۔ کچھ لوگ مرے اور کچھ بے حد زخمی ہوئے ایک سچے مسلمان بزرگ کا لڑکا بھی اس بس میں تھا جب وہ صاحب اس جائے حادثہ پر گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کا لڑکا تو فوت ہو چکا ہے لیکن ایک ہندو لڑکا سخت زخمی حالت میں ہے۔ انہوں نے اس ہندو لڑکے کو فوراً اسپتال پہنچایا۔ سب کو بڑا تعجب ہوا کہ ایک مسلمان بزرگ اپنے لڑکے کی لاش کو تو نہیں چھوڑ آئے ہیں اور ایک غیر مسلم زخمی کو اسپتال میں لا کر علاج کرا رہے ہیں تو حکام اس اسلامی خدمت خلق کی مثال قائم کرنے والے شخص کو آ کر دیکھنے لگے۔ مولانا نے اپنی زندگی میں اسلام کی جو صحیح تصویر پیش کی اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اللہ ہم سب کو اسلام پر چلنے اور خدمت خلق کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆
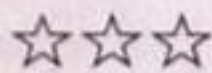
ایک نادر روزگار شخصیت

رضوان احمد ندوی

سڈول جسم، متوسط قد، گول مہتابی چہرہ، چوڑی پیشانی پر علم ومعرفت کے گہرے نقوش، سر پر پنج والی ٹوپی، گھنی صاف وشفاف سفید داڑھی، روشن آنکھیں، شریعت وطریقت کے دریائے قلزم، اسلاف کے پاکیزہ خوابوں کی حسین تعبیر آپ کچھ جانتے ہیں۔ یہ کون یگانۂ روزگار شخصیت ہیں۔ یہ ہیں ہندوستان کے ممتاز عالم دین، روحانی پیشوا، عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی۔ آہ صد آہ، انہیں مرحوم ومغفور لکھتے ہوئے قلم رکنے لگتا ہے، دل بجھنے اور کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ ابھی سال گزشتہ ۲۸/اگست ۱۹۹۷ء بمطابق ۲۳/ربیع الثانی ۱۸ھ کو روز پنج شنبہ، دن کے سوا دس بجے لکھنؤ کے ایک نرسنگ ہوم میں رب حقیقی سے جا ملے۔ کان امر اللہ قدرا مقدورا۔ عمر کوئی ۷۳ سال کے قریب ہوگی۔

آخر گل اپنی صرفِ درِ میکدہ ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

حضرت قاری صاحبؒ ہندوستان میں اکابر واسلاف کے فضل وکمال اور علم

وتقویٰ کی واحد یادگار تھے، ان کے دم قدم سے علوم ومعارف کے چشمے جاری تھے، مدرسوں اور خانقاہوں کی شمعیں روشن تھیں، افسوس کہ اپنے پیچھے ایک ایسا خلا چھوڑ گئے جس کا پر ہونا واقعی مشکل ہے، رحمۃ اللہ رحمۃ واسعہ۔ کچھ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو دیکھتے ہوئے خدا یاد آتا ہے۔ ان سے ملتے ہی ایمان ویقین میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے، ان کی صحبتوں میں بیٹھتے ہی تسکین قلب حاصل ہوتا ہے، یہ سب کمالات وصفات حضرت قاری صاحبؒ کی ذات میں اس طرح پیوست تھیں کہ ان کے بعد اس نمونے، اس شان اور اس انداز کو نگاہیں ترس ترس کر رہ جاتی ہیں۔

تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

حضرت قاری صاحبؒ ہتھورا ضلع باندہ (یوپی) کے ایک علمی خانوادہ کے چشم وچراغ تھے، یہیں 1924 میں پیدا ہوئے، ان کا گھرانہ علم وعمل کا گہوارہ تھا، والد ماجد سید احمد صاحبؒ نیک وصالح اور دیندار انسان تھے، مگر صغرسنی میں ہی داغ مفارقت دے گئے جد امجد قاری عبدالرحمٰن اور ماموں جان مولانا سید امین الدین صاحب اپنے دور کے مشہور عالم، متقی اور فن قرأت وتجوید میں امتیازی شان کے مالک سمجھے جاتے تھے، ابتدائی تعلیم وتربیت انہیں بزرگوں سے پائی اور قرآن پاک حفظ مکمل کیا۔ آٹھ سال کی عمر میں دادا محترم بھی اللہ کو پیارے ہو گئے، والدہ ماجدہ اور ماموں جان نے پرورش وپرداخت اور تعلیم وتربیت کا مکمل انتظام کیا اور اعلیٰ تعلیم کیلئے ہندوستان کے بڑے بڑے علمی ودینی اداروں اور درسگاہوں میں داخل کرایا۔ الہ آباد، اجمیر، دہلی، مراد آباد، مظفر پور (بہار) کانپور اور پانی پت تشریف لے گئے اور ماہرین فن علماء واساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور پھر پورا استفادہ کیا، 1359ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا، اور اصول الشاشی اور میر قطبی کی تعلیم حاصل کی، 1363ھ میں مشکوۃ شریف، ملا حسن اور ہدایہ آخرین وغیرہ کی جماعت میں مدرسہ شاہی مراد آباد میں داخلہ لیا، پھر 1363ھ میں مظاہر العلوم

تشریف لائے اورتمام مروجہ علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ زمانہ طالب علمی میں اپنی خداداد صلاحیت، تقویٰ اورطہارت کی وجہ سے اساتذہ وعلماء کے چہیتے بن گئے۔

فراغت کے بعد بعد درس وتدریس اوراصلاح وتبلیغ کا شغل اختیار کیا، گونڈہ اورفتح پور کے مدرسوں میں تدریسی خدمات وفرائض انجام دیئے، پھر نامساعد حالات اور علاقہ باندہ میں ارتداد کی لہر پھیل جانے کے سبب 1952ء میں ہتھورا ضلع باندہ میں جامعہ عربیہ کے نام سے ایک دینی ادارہ قائم کیا۔ اورماہرفن اساتذہ کوجمع کیا۔ اس وقت مدرسہ کی ترقی کے بام عروج پر پہنچا ہوا ہے جواس بات کی دلیل ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے اس ادارہ کوشرف قبولیت سے نوازا ہے۔ مدرسہ مسجد اوردرسگاہوں کی فلک بوس نماعمارتوں سے نورانیت کے چشمے ابل رہے ہیں اوریہ سب کچھ حضرت قاری صاحبؒ کے اخلاص وللّٰہیت، رجوع وانابت اورملت کے لئے دردمندی وفکرمندی کا نتیجہ ہے۔ حضرت قاری صاحبؒ کو بخاری شریف، اورشرح جامی سے بڑی مناسبت تھی اس لئے آخر عمر تک ان کتابوں کا درس دیتے رہے اوردرس میں حقائق ونکات اس طرح بیان فرماتے تھے کہ گویا معقولات کومحسوسات اورمشاہدات کے قالب میں ڈھال رہے ہیں، آپ کے اندر مسلمانوں کی فکری اصلاح کا بے پناہ جذبہ تھا، اس لئے ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کرتے تھے اوروعظ ونصیحت کے ذریعہ لوگوں کے عقائد کی اصلاح فرماتے، ہزاروں ہزارلوگوں نے آپ کے دست مبارک پرتوبہ کیا اورآپ کے روحانی وباطنی فیوض وکمالات کے چشموں سے سیرابی حاصل کی۔

حضرت قاری صاحب نے عملی زندگی میں نکھارلانے کیلئے اپنا اصلاحی تعلق باخدا بزرگ حضرت مولانا اسعداللہ صاحب (المتوفی 1979ء) ناظم مظاہرالعلوم سہارنپور سے قائم کیا، ان سے سلوک وتصوف کے مراحل طے کیے، پھراجازت بیعت وخلافت روحانی حاصل کی اورطالبین خدا کوتعلیم طریقت اورارشادہدایت کی اجازت دی۔ سیکڑوں خلق خدا

نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور زندگی میں صلاح انقلاب پیدا کیا۔یوں بھی آپ کی زندگی زہد وتقویٰ کا مجسم پیکر تھی،راتوں کی تنہائی میں لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر عبادت کرتے تھے،میں نے ۳ر شوال ۱۴۱۰ھ کی شب میں دیکھا کہ جب لوگ خواب شیریں کے مزے لے رہے تھے اس وقت اللہ کا یہ بندہ اپنے رب کے سامنے اظہار عبدیت کرر ہا تھا،سجدہ میں پیشانی رکھ کر گڑ گڑا رہے تھے۔

جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

حقیقت یہ ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ گوناں گو صفات وخصوصیات کے حامل انسان تھے،طبیعت میں سنجیدگی ومتانت،مزاج میں سادگی ولطافت اور اخلاق میں تواضع وانکساری کا وصف نمایاں تھا،عالمانہ وقار اور داعیانہ کردار آپ کا طرۂ امتیاز تھا،نام ونمود اور شہرت طلبی سے طبعی طور پر نفرت تھی۔حدیث میں ہے ’’من تواضع للہ رفعہ اللہ‘‘ جتنا آپ نے تواضع کیا اللہ نے اتنا ہی آپ کو مشہور کیا،عوام وخواص،علماء واتقیاء سب ان کے عقیدت مند اور حلقہ بگوش تھے،ہر چھوٹا اور بڑا براہ راست ان سے گفتگو کر لیتا اور ملاقات میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتا۔مجھ کو ان سے ملاقات کا شرف پہلی بار ۱۴۰۶ھ میں ہتھورا باندہ میں ہوا،اپنی عمر میں اتنا بارعب،باوقار شخصیت،صاحب دل اور صاحب نسبت بزرگ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔اللہ اکبر چہرے بشرے سے شرافت وللّٰہیت اور نورانیت کی بارش برس رہی تھی۔اس کے بعد بار بار آپ کی بابرکت علمی وروحانی مجلسوں میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔خاص کر جب ندوۃ العلماء میں زیر تعلیم تھا اس طرح کے مواقع اور تقریریں برابر سننے کا اتفاق ہوا۔۲۵ر ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ کو ندوہ کی عالیشان مسجد میں ایک ایسی تقریر سنی جس کی لذت وحلاوت اب تک دل میں محسوس کر رہا ہوں۔انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا:

’’عزیزو!طبیعت تربیت سے سنورتی ہے،علم تلاش وجستجو سے حاصل ہوتا ہے،تم اپنے اساتذہ کا ادب واحترام کرو اور ان کی زندگی اور شخصیت کو غنیمت جانو،یہی تمہارے

لئے جنید وشبلی ہیں، اگر شبلی اپنے زمانے میں یہ سمجھتے کہ ابوبکر صدیقؓ زندہ نہیں ہیں، کس سے علم نبوت حاصل کریں تو پھر شبلی، شبلی نہ ہوتے، جنید، جنید نہ ہوتے''۔

اس تقریر نے دل پر عجیب کیفیت پیدا کردی۔ برسوں آپ کے یہ جملے ذہن ودماغ پر نقش رہیں گے۔

تیری گفتار میں تھی جوہر کردار کی آب
یاد آئے گا سدا ترا کہا تیرے بعد

آخری ملاقات اوائل جون 1997 میں پٹنہ ریلوے اسٹیشن پر ہوئی۔ عقیدت میں غرق صرف چہرہ انور دیکھتا رہا، چل چلاؤ کا وقت شروع ہوگیا، گاڑی پٹری پر رینگنے گی، عجلت میں اصلاح حال کیلئے دعاؤں کی درخواست کی، انہوں نے خط لکھنے کی ہدایت کی، میں نے بے اختیار خط وکتابت شروع کردی، جواب تحریر فرمایا،

مکرمی! السلام علیکم

دعا کررہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام مقاصد حسنہ میں کامیابی فرمائے یہ دعا کسی نماز کے بعد سات بار پڑھ لیا کریں۔

اللھم طھر قلبی عن غیرک ونوّر قلبی بنور معرفتک

صدیق احمد

حضرت کے اس خط اور نگاہ دلنواز نے میرے پژمردہ دل کی کلی میں تازگی اور شگفتگی پیدا کردی، اطمینان قلب نصیب ہوا، پھر دوبارہ خط لکھنے کا ارادہ کیا کہ اچانک اس حادثہ کی اطلاع ملی کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ طاب اللہ سراہ، دل دھک سے رہ گیا، افسوس کہ امت مسلمہ اپنے ایک صاحب بصیرت، روحانی پیشوا سے محروم ہوگئی، جنازہ کی نماز ہتھورا میں پڑھی گئی، جس میں ملک کے ہزاروں ہزار متعلقین، معتقدین اور متوسلین نے شرکت کی۔ امارت شرعیہ سے مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی، قاضی شریعت کی قیادت میں

ایک وفد ہتھورا گیا، اور پسماندگان سے اظہار تعزیت کیا اور صبر واستقامت کی تلقین کی۔

حضرت قاری صاحبؒ نے چھوٹی بڑی دس بارہ کتابیں تصنیف کی ہیں، جو زیادہ تر منطق وفلسفہ، صرف ونحو اور فن تعلیم وتربیت جیسے اہم موضوعات پر مشتمل ہیں۔ مثلاً اسعاد الفہوم شرح سلم العلوم، شرح جامی، آزادب المعلمین، آداب المعلمین، تسہیل الصرف، تسہیل المنطق، تسہیل التجوید، سیرت سید المرسلین، احکام المیت، حق نما، اور فضائل نکاح وغیرہ آپ کی مشہور ومعروف تصانیف ہیں۔ شرح تہذیب کی بھی شرح لکھی ہے مگر ابھی وہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کی تربت کو جنت کے باغات میں سرسبز وشاداب رکھے، ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے پسماندگان مولانا حبیب احمد صاحب مظاہری، مولانا مفتی نجیب احمد قاسمی، مولانا حسیب احمد مظاہری کو صبر جمیل کی دولت سے نوازے۔

قبر اس کی ہو منور فضل باری سے ندیم

☆☆☆

حیات وخدمات

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی ایک نظر میں

محمد عمر شریف مظاہری

اسم گرامی: مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی۔

قلمی نام: ثاقب ندوی۔

ولادت: ۱۱رشوال بروز جمعہ ۱۳۴۱ھ بمطابق ۱۹۲۳ء۔

جائے ولادت: آبائی مکان ہتھورا ضلع باندہ۔

والد کا نام: سید احمد (متوفی 1929) دادا نام قاری عبدالرحمان (متوفی 1930)۔

ابتدائی تعلیم: آبائی وطن ہتھورا زیر نگرانی مولوی امین الدین صاحبؒ (ماموں صاحب)

تعلیمی مراحل: مدرسہ تکمیل القرآن کانپور، مدرسہ جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد، پانی پت، دہلی، مظفر پور، مظاہر العلوم سہارنپور۔

تعلیمی فراغت: مظاہر علوم سہارنپور، 1944۔

اهم اساتذہ: مولانا امین الدین، قاری فتح محمد صاحب پانی پتی، مفتی سعید احمد صاحب

لکھنوی، مولانا جمیل احمد صاحبؒ مظفر پوری، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ، مولانا عبداللطیف صاحب، ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی، مفتی سعید احمد صاحب اور علامہ ابراہیم صاحبؒ۔

تدریسی خدمات کا آغاز: مدرسہ فرقانیہ گونڈہ (اسی مدرسہ میں مولانا علی میاںؒ نے ندوہ میں تدریس کیلئے دعوت دی) سے اپنے تعلیمی مشن کی شروعات کی لیکن چند ہی دنوں کے اندر یہ احساس پیدا ہوا کہ دور دراز رہ کر منصوبے کو عملی جامہ نہیں پہنایا جاسکتا چنانچہ مدرسہ اسلامیہ فتح پور میں پڑھانے کو ترجیح دیا تا کہ وطن عزیز کو اپنا مرکز عمل بنانے میں آسانی ہو۔ اس وقت مدرسہ اسلامیہ میں مولانا عبدالحق صاحب کوٹی، مولانا سید شاہ ابرار الحق ہردوئی، مولانا عبدالرحمان جامی صاحب معتمد خاص شاہ وصی اللہ صاحب جیسے جید علمائے عظام اپنی تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔

علاقائی دینی ضرورت کے تحت مدرسہ اسلامیہ سے مستعفی ہو کر 52ء میں اپنے وطن ہتھورا تشریف لے گئے۔ سخت ترین مصائب برداشت کئے فقر و فاقہ کے باوجود پیدل تبلیغی اور تعلیمی اسفار کئے۔

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

پہلے مدرسہ کا قیام: جموارہ ضلع باندہ میں سب سے پہلے مدرسہ قائم کیا۔ لیکن حالات ناموافق کے باعث مدرسہ بند ہو گیا۔

دوسرا تجربہ: قصبہ زینی ضلع باندہ میں مدرسہ قائم کیا یہ بھی اختلافات کے نذر ہو کر بند ہو گیا۔

تیسرا تجربہ: شہر باندہ میں مدرسہ قائم کیا لیکن یہاں بھی کامیابی ہاتھ نہ لگی۔ صبر ورضا کا یہ عظیم پیکر اپنے مقام مسعود یعنی ہتھورا کو لوٹ کر اپنی والدہ محترمہ کے پہلو سے لپٹ

کر خوب روئے۔ صبر وآزمائش کے دور سے گزری حوصلہ مند والدہ نے افسردہ صاحبزادے کو حوصلہ اور ڈھارس بندھاتے ہوئے اپنے ہی گاؤں (ہتھورا) میں مدرسہ قائم کرنے کا مشورہ دیا جس کو حضرت نے گاؤں کے ہی مسجد میں تین بچوں سے 1956 میں مدرسہ خزینۃ العلوم'' کی داغ بیل ڈالی جو دیکھتے دیکھتے خواب کی تعبیر پیش کرتا ہوا آج جامعہ عربیہ ہتھورا کی شکل میں مرکزی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اللھم زد فزد۔

مدارس ومکاتب کے قیام کی مہم: منصوبے کے تحت حضرت قاری صاحبؒ نے علاقائی دینی ضرورت کے پیش نظر بے شمار چراغ سے چراغ جلائے۔ آج ''فیض صدیق'' کے توسط سے کراہتی ہوئی انسانیت کو سنبھالا اور سہارا ملنے کے ساتھ ساتھ پروان چڑھنے کا موقع مل رہا ہے۔

حج بیت اللہ شریف: قاری صاحبؒ کو تین مرتبہ زیارت بیت اللہ نصیب ہوئی۔ پہلا حج 1949 میں کیا۔

تعلیم نسواں پر زور: حضرت تعلیم نسواں کے زبردست حامی بن گئے تھے۔ مسلم ڈگری کالج فتح پور میں جب ''گرلس سیکشن'' قائم ہوا تو حضرت نے راقم الحروف کی موجودگی میں ذمہ داران کالج کو اپنا گرانقدر مالی تعاون پیش فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے حلقہ اثر کو معاونت پر آمادہ کیا۔

عصری علوم پر مشتمل تعلیمی اداروں کی پذیرائی: استاد محترم حضرت قاریؒ ہمیشہ معیار پر خاص توجہ فرماتے تھے۔ چنانچہ اسلامی خطوط پر عصری اداروں کی خوب ہمنوائی فرمائی۔ چنانچہ راقم الحروف نے حضرت کے روبرو'' نور الہدی انگلش میڈیم'' وغیرہ کا خاکہ پیش فرمایا تو حضرت نے حد درجہ مسرت اور پذیرائی فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مبارک ہاتھوں سے حضرت کی موجودگی میں 17 اپریل 1994 کو نور الہدیٰ اسکول کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

چونکہ بفضلہٖ تعالیٰ عصری تقاضوں کوملحوظ رکھتے ہوئے دینی تعلیم کے ساتھ جانب منزل رو
رواں ہے۔

تالیف وتصنیف: حضرتؒ ہمہ وقت مصروف اور متفکر رہا کرتے تھے۔درس وتدر
کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ چنانچہ تسہیل الصرف، تسہ
المنطق، تسہیل التجوید، فضائل نکاح، حق نما، احکام میت، کلام ثاقب (منظوم) سیرت
المرسلین، تسہیل السالی شرح جامی شرح تہذیب کی شرح، شرح بخاری، آداب المعل
والمتعلمین، استادالفہوم وغیرہ بیرونی ممالک کے تبلیغی اسفار۔ساؤتھ افریقہ،لندن میں
منیر شبلی سے مرحوم سے خصوصی ملاقات ہوئی۔

بیعت: حضرت مولانا قاری صاحبؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مو
اسعد اللہ ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے مجاز بیعت 1956 میں ہوئے۔

وفات: 28 اگست 1997ء بروز جمعرات بوقت صبح دس بجکر دس منٹ پر لکھنؤ کے
نرسنگ ہوم میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزاد
حضرت مولانا سید حبیب احمد صاحب مظاہری نے پڑھائی جن کو بعد میں شوریٰ نے مت
طور پر ناظم جامعہ عربیہ ہتھورا منتخب کیا گیا۔

تدفین: 28 اگست بوقت دس بجے رات ہتھورا کی عیدگاہ سے متصل اپنے آبائی قبرس
میں لاکھوں لوگوں کی موجودگی میں ہوئی۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

ایک ولی کامل حضرت قاری صدیق احمد باندوی

عبدالسمیع قاسمی

دنیا میں آنے والوں کا تانتا لگا ہوا ہے اور جانے والے بھی روز ہی دنیا کو خیر باد کہتے ہیں۔ نہ آنے والوں کو انکار، نہ جانے والے بخیل۔ دنیا میں یہ سلسلہ جاری ہے لیکن کچھ افراد و شخصیات ایسی ہوتی ہیں کہ نقش دوام بن کر ابھرتی، اٹھتی اور عالم پر چھاتی چلی جاتی ہیں ان کے جانے سے ایک ناقابل بیان کمی، نہ بھرنے والا خلاء اور شدت کے ساتھ بہت کچھ لٹ جانے کا احساس ہوتا ہے۔

حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ ایک ایسی ہی نادر روزگار ہستی کے مالک تھے۔ دیکھنے والوں نے جس جس زاویہ اور انداز سے آپ کو دیکھا آپ باکمال نظر آئے۔ آپ کا وجود سب کے لئے ابر رحمت تھا۔ بچپن میں ہی آپ کی ولایت

اور کرامت کے تذکرے سن کر دل پر ایک نقش بن گیا تھا۔ شہدائے اسلام کے جلسوں میں
زیارت کا شرف اب سے تقریباً دس سال پہلے حاصل ہوا۔ یہ جلسے مولانا عبدالشکور ہال
احاطہ شوکت علی رکاب گنج میں ہر سال یکم تا ۱۵ محرم الحرام ۸۱ سال سے مسلسل ہوتے چلے
آرہے ہیں۔ میں نے دس سالوں میں ان جلسوں کو حضرت قاری صاحب کی دعا پر ختم
ہوتے دیکھا۔ حضرت قاری صاحب کی آمد آمد ہوتی ہفتوں سے لوگ آپ کے لئے منتظر
اور سراپا اشتیاق ہوتے۔ مولانا عبدالشکور ہال کھچا کھچ بھر جاتا، تل رکھنے کی جگہ نہ ملتی، پا
پڑھوانے، پھونک ڈلوانے اور تعویذ لینے والوں نیز روحانی فیوض و برکات حاصل کرنے
والوں کا ایک لمبا سلسلہ ہوتا۔ لوگ آپ پر پروانہ وار ٹوٹتے تھے۔ ان جلسوں کے حوالے
حضرت سے ملاقات اور زیارت کا خوب موقع ملا۔

قاری صاحب کے بارے میں مجھ جیسے عاصی اور عاجز کا قلم اٹھانا ''تحسین
ناشناس'' کے زمرہ میں آتا ہے تاہم اپنے احساسات کا اظہار شاید بے ادبی نہ ہو۔ اس لئے
چند سطور لکھ کر آپ کے ثناخوانوں میں نام لکھوانا ہے۔

احب الصالحین ولست منهم
لعلہ اللہ یرزقنی صلاحا

حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فتوح الغیب میں فرماتے ہیں کہ جس شخص
میں یہ تین خصلتیں ہوں وہ ولی کامل، اللہ کا محبوب اور روحانی کمالات کا منبع وسر چشمہ ہے۔

(۱) دریا کی سی سخاوت ہو، یعنی تمام مخلوق اس سے نفع اٹھائے اور کسی کیلئے اس کی فیض رسانی
محدود نہ ہو۔

(۲) سورج کی طرح شفقت رکھتا ہو یعنی جس کی روشنی عام مخلوق کیلئے یکساں اور برابر ہو۔

(۳) زمین کی سی تواضع ہو۔ یعنی اس کی آغوش محبت ہر ایک کیلئے کھلی ہوئی ہو۔

حضرت شیخ کے ارشاد کی روشنی میں حضرت قاریؒ کی زندگی ایک ولی کامل

رگی تھی۔ آپکی پاکیزہ شخصیت بلند سیرت، بے غرض جدو جہد، بے داغ زندگی اور مکارم
لاق نے آپ کی ذات کو ایک سچا موتی اور کھرا سونا بنادیا تھا۔ یہ چیز مسلم ہے کہ ہر
ہ کا کمال اس کے حالات وخصوصیات کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے مثلاً پتھر کا کمال یہ
ے کہ اس میں مضبوطی اور سختی ہو، برف کا کمال یہ ہے کہ وہ سرد اور ٹھنڈی ہو، آگ کا کمال یہ
ے کہ وہ گرم ہو، اس اصول کے مطابق بندہ کا کمال یہ ہے کہ اس میں عجز ہو، تذلل
انکساری ہو، تواضع اور درماندگی ہو، فرمانبرداری اور اطاعت شعاری ہو اس لئے کہ بندہ
مقصد تخلیق ہی اللہ کے آگے سر جھکانا اور اس کے احکام کو بجالانا ہے۔ قاری صاحبؒ کے
ئل وکمالات کے گلدستہ میں یہ صفت تواضع گل سرسید کی حیثیت سے نمایاں تھی۔

پردۂ عجز میں مخفی ہے ترا اوج کمال
خاکساری میں نہاں رتبۂ اعلیٰ تیرا

حدیث کی روشنی میں فروتنی اور تواضع اختیار کرنے والے بندہ کا درجہ اللہ تعالیٰ
ے یہاں تو بلند ہوتا ہی ہے دنیا میں بھی اس کو عظمت اور سرخروئی عطا ہوتی ہے۔

بلند خاک نشینی نے قدر کی مری
عروج مجھ کو ملا جب کہ پائمال ہوا

☆☆☆

قاری صدیق احمد...... کچھ روشن یادیں

محمد ابوبکر ندوی

دادا جان حضرت حکیم محمد ایوب صاحبؒ کے تعلقات کی وجہ ممبئی میں اکثر علما
کرام اور بزرگوں کی آمد گھر پر ہوتی رہتی تھی اس لئے بندہ کو الحمد للہ بہت سے بزرگوں کو
دیکھنے کا شرف حاصل رہا۔ لیکن قاری صاحبؒ کی ذات گرامی کچھ ایسی پرکشش تھی کہ یہ پہلی
ملاقات میں جیسے ذہن و دماغ میں نقش ہو گئے ہوں۔

احب الصالحین ولست منهم
لعله الله یرزقنی صلاحا

حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ بڑے عالم ہی نہیں بلکہ
گہرے علم کے ساتھ تصوف کے اعلیٰ مقام پر تھے۔ صرف ذکر و شغل ہی مشغلہ نہیں تھا بلکہ
ہر وقت ذکر تلاوت کے ساتھ محنت و جفاکشی کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ ہر خاص و عام میں
مقبولیت اور مقام پاتے ہوئے بھی تواضع وانکساری کے مجسم نمونہ تھے۔ تمام جملہ صفات
حمیدہ سے متصف اور تمام رذائل سے پاک حضرت قاری صاحبؒ کی ذات گرامی حیات
صحابہ کی نمونہ تھی حضرت قاری صاحب رواں دواں کے مالک تھے ایک پل بھی چین نہ تھا
امت کے درد و غم میں ہر وقت بے کل رہتے تھے۔

اکثر جب بھی جامعہ اسلامیہ ہتھورا باندہ حاضری ہوئی تو مدرسہ کی تعمیر میں مزدوروں
کے ساتھ حضرت قاری صاحبؒ کو بھی لگے ہوئے دیکھا۔ تمام طلبہ بھی تعلیم کے اوقات کے علاوہ

ری کاموں میں حصہ لے رہے ہوتے۔ محنت اور مجاہدہ کے اس ماحول سے متاثر ہو کر آئے
ئے مہمان بھی پتھر ڈھونے پھاوڑا چلانے میں شریک ہو جاتے بسا اوقات حضرت قاری
حب شفقۃً منع بھی کرتے مگر ہر شخص مدرسہ کی تعمیر میں حصہ لینا اپنی سعادت سمجھتا بارہا ایسا ہوتا
کا مشاہدہ ہوا کہ حضرت کو صبح سفر کرنا ہے تہجد کے وقت ہی اعلان ہو رہا ہے شرح جامی یا فلاں
ب کے طلبہ مسجد میں آجائیں۔ طلبہ بھی ایسے مستعد کہ نیند سے آنکھیں ملتے ہوئے مسجد میں
ر ہو جاتے، اور حضرت کا درس شروع ہو جاتا اذان فجر بلکہ بعض مرتبہ اذان فجر کے بعد بھی
ں جاری رہتا نماز کے قریب دس پندرہ منٹ پہلے چھوڑ دیتے۔ اور فجر کے بعد سفر ایسی
تعدی سے شروع فرماتے جیسے کوئی تکان ہی نہ ہو۔ ساتھ سفر کرنے والے تھک جاتے مگر
رت قاری صاحبؒ ایسے مستعد کہ جو سواری ملتی، ٹیمپو، ٹرک، میٹاڈور وغیرہ پر سفر کرتے۔

ایک بار بندہ و مولانا کفیل احمد و مولانا مرتضیٰ صاحب و قاری صاحب علیہ الرحمہ سفر
تی ہتھورا سے لکھنؤ سے ساتھ ہوا۔ نو میل پر بس کے انتظار میں حضرت قاری صدیق احمد
حبؒ "پلیہ" (چھوٹا پل) کی دیوار پر ہی سر کے نیچے رومال رکھ کر لیٹ گئے۔ واہ رے
گی کوئی تکلف نہیں۔ اس منظر کو دیکھ کر بار بار دل بھڑک اٹھتا تھا۔ حضرت کے قدم بوسی کو جی
لتا تھا۔ لیکن یہ خیال کر کے کہ ایسی محنت و مجاہدہ میں چند منٹ کے آرام کو میں اپنی عقیدت
ے کیوں خراب کروں۔ بس دل تھام کے رہ گیا ذہن میں بار بار صحابہ کی صفت کا وہ جملہ یاد آتا
ہ کہ "اقلھم تکلفاً و اعمقھم علماً". (تکلف نہ کرنے والے اور علم میں گہرے) بس
نے پر فوراً کھڑے ہو گئے۔ اور ہمراہیوں کے ساتھ چڑھ گئے، باندہ پہنچنے پر دوسری بس پر
ے اسی دوران راستوں میں جہاں بھی آپ کے احباب ملتے رہے سب دعاؤں کی
واست کرتے اکثر حضرات آپ سے تعویذ لیتے۔ باندہ سے ایک مقام پر اترے اور وہاں
ے ٹرک پر بیٹھ گئے مولانا محمد مرتضیٰ صاحبؒ (دار العلوم ندوۃ العلماء) چونکہ آپ کے ہم سبق
اس لئے مذاق و مزاح بھی فرماتے، کہ اب دیکھئے کن کن سواریوں پر بیٹھنا ہوگا۔

حضرت قاری صاحبؒ سفر میں بہت کم گفتگو فرماتے بس زبان پر ہر وقت
تلاوت کلام پاک جاری رہتی کہیں ضرورت ہوتی تو بول دیتے۔ سفر کے دوران کچھ کھاتے
بھی نہ تھے۔ راہ میں چلنے والے معتقدین کچھ کھانے کیلئے پیش کرتے تو حضرت قاری
صاحبؒ خود تو نہ کھاتے یا کم کھاتے۔ اور ہمراہیوں کو دے دیتے۔

ایک سفر کے موقع پر جس میں بندہ و حاجی محمد یونس صاحب صفدر گنج اور قاری
صاحبؒ تھے صبح سے دوپہر تک کا سفر رہا۔ راستہ میں کہیں ناشتہ بھی نہیں کیا کانپور میں ظہر
کے بعد حضرت کی تقریر تھی۔ مختلف سواریوں سے ہوتے ہوئے ہم تینوں لوگ کانپور پہنچ
گئے ظہر کے بعد حضرت قاری صدیق احمدؒ نے تقریباً سوا گھنٹہ تقریر فرمائی ہمراہیوں کو بھوک
لگ رہی تھی۔ لیکن حضرت قاری صاحبؒ پر کوئی اثر نظر نہیں آتا تھا اور تقریر کے بعد
مصافحوں کا سلسلہ شروع ہوگیا جس میں تقریباً 25-30 منٹ لگے ہوں گے۔

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اہل زید پور اور خصوصاً مدرسہ امداد العلوم کے
ساتھ بڑی شفقت کا معاملہ فرماتے، حضرت مولانا الحافظ محمد فاروق صاحبؒ سابق مہتمم
مدرسہ اماد العلوم کے زمانہ سے حضرت مدرسہ تشریف لاتے رہے ہیں چونکہ مولانا فاروقؒ کے
حضرت قاری صاحبؒ سے زمانہ طالب علمی سے ہی دیرینہ تعلقات تھے اس لئے حضرت شیخ
مولانا قاری صدیق احمدؒ کا جب بارہ بنکی سفر ہوتا تو تشریف لاتے حضرت قاری صاحبؒ نے
مدرسہ امداد العلوم زید پور کی سرپرستی بھی قبول فرمائی تھی۔ اور باقاعدہ مدرسہ کے حالات معلوم
کرتے ایک مرتبہ شدید علالت کی حالت میں بھی مدرسہ تشریف لائے۔ حضرت قاری صاحبؒ
کی شفقت ایسی تھی کہ ہر ایک یہ سمجھتا کہ حضرت قاری صاحبؒ اسے بہت چاہتے ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ کے مجاہدہ اور اسفار قابل درس ہیں۔ کاش کہ حضرت کے
اسفار مرتب ہوتے اور امت کیلئے بہت بڑا ذخیرہ رحمت بنتے۔

☆☆☆

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب غیروں کی نظر میں

مولانا محمد زکریا ندوی

حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب پر جتنا لکھا جاچکا ہے قریبی زمانہ میں اتنا شاید ہی کسی پر لکھا گیا ہو۔ ان کی شخصیت واقعی تھی ہی ایسی۔ جو کچھ لکھا لکھنے والوں نے اپنی واقفیت کی بنیاد پر لکھا لیکن ان سے واقفیت رکھنے والے سب ہی اس کے معترف ہیں کہ ان کی شخصیت کی گہرائی تک کوئی نہیں پہنچ سکا ہے۔ مجھے الحمدللہ ان سے کافی قرب نصیب ہوا لیکن ان کی عظمت کی بلندیوں کا صحیح اندازہ مجھے بھی نہ ہوسکا تھا۔ ان کی ایک سادہ سی شخصیت میں اتنا تنوع تھا کہ اس تک رسائی بھی ہم جیسوں کے لئے مشکل ہے۔

وہ ایک عالم دین تھے اس رشتہ سے علماء کرام میں ان کی وقعت اور مقبولیت تھی۔ ایک مدرسہ کے بانی اور ناظم بھی تھے اس رشتہ سے بھی طلباء اور اساتذہ، اہل مدارس سے ان کے تعلقات تھے۔ وہ ایک داعی دین ہونے کی حیثیت سے بھی مشہور و معروف تھے اس لئے دینی جلسوں اور اجتماعات میں ان کی تشریف آوری سے رونق ہو جاتی تھی۔ وہ دعا و تعویذ کے سلسلے میں بھی عوام و خواص کا مرجع تھے۔

ان سب خوبیوں کے ساتھ وہ ان اخلاق کریمانہ سے بھی متصف تھے جو نائبین رسول کا خاصہ ہیں اس لئے اپنوں کے ساتھ غیروں میں بھی مقبول تھے اور غیروں میں ان کی

اس مقبولیت کے ایسے ایسے نمونے دیکھنے والوں نے دیکھے ہیں کہ ان کی نظیر شاید ہی کہیں اور نظر آئے۔ اس طرح کے چند واقعات جن میں سے کچھ دیکھتے ہیں اور کچھ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوئے ہیں نذر ناظرین کر رہا ہوں، خدا کرے پڑھنے والوں کیلئے مفید ہوں۔

حضرت مولاناؒ کے یہاں پہلی بار ایک بڑا تبلیغی اجتماع ہونے والا تھا جس کیلئے تیاریاں کافی پہلے سے شروع ہوگئی تھیں۔ مدرسہ کے مشرقی جانب جو مختلف حضرات کے کھیت تھے اور جو بہت کچھ ناہموار تھے ان کو ہموار کرنا تھا۔ اس کام میں ہتھورا اور قرب وجوار کے دیہات کے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم حضرات بھی باقاعدہ لگے ہوئے تھے روزانہ صبح کو اپنے گھروں سے آجاتے اور شام تک کام کر کے گھر واپس چلے جاتے۔ یہ کام اور اس کیلئے آمد و رفت کا سلسلہ کئی دن تک چلتا رہا۔ قرب وجوار کے دیہاتوں میں سے الیہہ، کلکٹر پور وا اور وہاں کے ہندوؤں نے اس سلسلہ میں ہر طرح کا تعاون کیا تھا۔ یہ لوگ باوجودیکہ اپنے مذہبی معاملات میں کافی سخت تھے۔ لیکن حضرت مولانا کی شخصیت سے کافی متاثر تھے۔ میں نے ان لوگوں کو بار بار دیکھا کہ اگر سر راہ بھی ان لوگوں میں کوئی مل گیا خواہ عمر میں حضرت سے بڑا ہی کیوں نہ ہوتا راستہ میں ایک طرف کو کھڑا ہو جاتا۔ نہایت ادب سے ہاتھ جوڑتا اور کہتا "بھیا سلام" حضرت بھی بہت ہی خندہ پیشانی سے اس سے ملاقات کرتے اور ایک دو جملے ملاطفت کے ارشاد فرماتے۔

بابری مسجد کی شہادت کے بعد اگرچہ ہندو مسلم تعلقات ہر جگہ متاثر ہوئے تھے اور فرقہ وارانہ طاقتوں کو اس سلسلے میں ہر جگہ کامیابی ہوئی تھی لیکن ہتھورا کے قرب وجوار کے ہندو دیہاتوں میں وہ زیادہ کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ الیہہ نام کا گاؤں جو ہتھورا سے صرف چند کلو میٹر کے فاصلے پر ہے اور وہاں کی بڑی آبادی ہندو ٹھاکروں کی ہے وہاں کے مندر کے پجاری نے باندہ کوتوالی میں جا کر یہ اطلاع دی کہ ہتھورا کے مسلمان ہمارے گاؤں پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ دوسرے ہی دن الیہہ میں پی اے سی بھیج دی گئی۔ گاؤں کے لوگوں کو پی اے سی کی آمد پر بہت تعجب ہوا۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ یہ حرکت

مندر کے پجاری کی ہے اور ان کی فرمائش پر پی اے سی آئی ہے۔ گاؤں کے ہندوؤں نے اولاً تو ان پجاری صاحب کی خبر لی پھر پولیس کے ذمہ داران کو بتایا کہ ہمارے اور ہتھورا کے لوگوں کے تعلقات اس قسم کے ہیں کہ ہمیں ان کی طرف سے اور ان کو ہماری طرف سے کوئی خطرہ نہیں اور پھر آپ جانتے ہیں کہ وہاں مولانا صدیق احمد بھی تو رہتے ہیں۔

میں نے مولانا کی وفات کے متصلاً بعد اپنے ایک مضمون میں ایک واقعہ لکھا تھا جس میں یہ ذکر کیا تھا کہ باندہ کے کلکٹر اور اس وقت کی کانگریسی حکومت کے ایک وزیر نے مولانا سے نسبندی کے جواز کا فتویٰ لینا چاہا تھا اور اس سلسلے میں مولانا کی طرف سے کچھ زیادہ ہی سخت لب ولہجہ کا اظہار ہو گیا تھا جس کی وجہ سے سبھی لوگوں کو اس کا خطرہ تھا کہ حکومت (جو ایمرجنسی کے زمانے میں بالکل فیل مست بنی ہوئی تھی) کی طرف سے بھی مولانا کے بارے میں بھی کسی سخت ردعمل کا معاملہ کیا جائے گا۔ اور شاید آج کی ہی رات میں مولانا کو حراست میں لے لیا جائے گا۔ شہر باندہ میں اس خطرے کے چرچے دن بھر رہے۔ رات کو شہر کے چنیدہ پچاس ہندو جن میں ایک بھی مسلمان نہ تھا کلکٹر صاحب کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ ہم پچاس صرف ہندو ہیں جن میں ہر جماعت کے لوگ شامل ہیں، ہم میں کوئی بھی مسلمان نہیں ہے۔ مسلمان آنا چاہتے تھے لیکن ہم ساتھ لے کر نہیں آئے نیز ہندوؤں کو بھی اس سے بڑی تعداد آنے کو تیار تھی۔ ہم لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اگر آپ مولانا کو گرفتار کرنا چاہیں تو ہم لوگوں کی گرفتاری کا بھی انتظام کر لیں۔ کلکٹر صاحب کا اگر مولانا کو گرفتار کرنے کا ارادہ بھی رہا ہو (بعض اطلاعات ایسی ہی تھیں) تو انہوں نے اپنے اس خیال سے رجوع کر لیا تھا۔ ایمرجنسی کے زمانے میں ایسا اقدام غیر معمولی محبت اور عقیدت کے بغیر ممکن نہ تھا۔ جن لوگوں کو معلوم ہے کہ مولانا کو مسلمانوں ہی میں نہیں غیر مسلموں میں بھی غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی۔ اور وہ بھی مولانا کے ساتھ عقیدت ومحبت کے معاملے میں مسلمانوں سے پیچھے نہ رہتے تھے۔ میں نے بار بار دیکھا کہ مولانا باندہ شہر میں بازار سے گزر رہے ہیں اور غیر مسلم دوکان دار یا تو دوکان سے باہر آ کر یا دوکان کے اندر ہی کھڑے ہو کر مولانا کو سلام عرض کر رہے ہیں۔ لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ مقبولت اور

عقیدت مولانا کے اخلاق کریمانہ کا نتیجہ تھی جس میں ظاہر داری کو ذرہ برابر دخل نہ تھا۔ دین کے داعی کو ایسے ہی اخلاق کریمانہ سے متصف ہونا چاہئے۔ اسلام کی تعلیمات کا یہی تقاضہ ہے۔

مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے وہ حضرات جو کسی وجہ سے بھی مولانا سے واقف ہو جاتے تھے اپنے مکتب فکر اور مسلک پر قائم رہتے ہوئے مولانا کے ساتھ حسن اعتقاد کا معاملہ رکھتے اور مسلکی اختلافات کے باوجود مولانا کے حسن اخلاق کے معترف ہوتے تھے۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ پڑھ لیجئے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسن اخلاق کی تاثیر کتنی قوی ہوتی ہے۔

باندہ شہر میں ایک مدرسہ بریلوی مسلک سے تعلق رکھنے والوں کا ہے وہ لوگ نسباً ایک بڑے بزرگ سے تعلق رکھتے ہیں اور طبعاً شریف ہیں اور مسلک میں بھی بظاہر زیادہ شدت نہیں ہے۔ یہ میرا اندازہ ہے کوئی قریبی واقفیت اس سلسلے میں نہیں ہے۔ اس مدرسہ کا جلسہ ہو رہا تھا باہر کے ایک شعلہ بیان مقرر (جن کا کام ہی شعلہ بیانی اور آگ لگانا ہے) تقریر کر رہے تھے اثنا تقریر مولانا صدیق صاحب کے بارے میں کچھ نامناسب بات کہنے لگے۔ فوراً ہی سامعین میں سے ایک صاحب اٹھے اور بولے مولانا میں اس کمیٹی کا ممبر ہوں ہم لوگوں نے آپ کو سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریر کرنے کے لئے بلایا ہے مولانا صدیق صاحب کے بارے میں کچھ کہنے کے لئے نہیں، ہم ان کو آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ صاحب بیٹھ گئے اور مقرر کو اپنا رخ بدلنا پڑا۔

اللہ نے مولانا کو اپنوں اور غیروں میں جو محبت و مقبولیت عطا فرمائی تھی یہ ان کے ایمان کامل اور اعمال صالحہ کا نتیجہ تھی اور ایسا ہوتا ہی ہے جو بھی صاحب ایمان بندہ اللہ کا مطیع و فرماں بردار ہوتا ہے اللہ اپنے بندوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے۔

☆☆☆

وہ مجموعۂ صدق وصفا

محمد خالد ندوی غازی پوری

باندہ کا نام آتے ہی ایک محترم باوقار، غمگسار، ہر دل عزیز معصوم ہستی کا تصور دل ودماغ پر چھا جاتا ہے۔ جس کی بارگاہ میں قلب وجاں کو سکون اور فکر وتصور کو پاکیزگی اور ذہن ودماغ کو صیقل اور احساس وشعور کو تشنگی ومشاطگی اور روح کو بالیدگی نصیب ہوتی تھی۔ وہ حضرت قاری محمد صدیق صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی تھی۔ آپ کی ذات والا صفات کی اثر صحبت سے نہ جانے کتنوں کو زندگی کا لطف وعبادت کی لذت نصیب ہوئی، کتنے خانوادوں میں علم کی روشنی پہنچی اور آپ کی تربیت میں کتنے مسِ خام کندن بنکر نکلے۔ آج وہ ہم میں نہیں ہیں لیکن آپ کا فیض ہر طرف جاری ہے۔ آپ کی دعوت وفکر کی روح زندہ ہے۔ آپ کا مشن مستحکم ہے اور آپ کی جدوجہد کی نیرنگیاں قوس وقزح کا حسن لیے دعوت عمل دے رہی ہیں۔

ہتھورا چھوٹا سا گاؤں جو آپ کی تربت کا امین ہے۔ آج رشک آفتاب وماہتاب بنا ہوا ہے جہاں دور دور سے تشنہ کا سامان علم ذوق فراواں کے ساتھ ہجوم کئے ہوئے ہیں۔ جامعہ عربیہ آپ کے ذوق واخلاص کی علامت ہے۔ اس جامعہ میں 1966 میں حاضری ہوئی۔ جب یہ ادارہ بہت چھوٹا تھا، عربی اور حفظ کے درجات میں کل تعداد 75 طلباء کی تھی۔ کچھ مسقّف پختہ عمارتیں بن چکی تھیں لیکن سفال پوش عمارتیں بھی موجود تھیں۔

حفظ کے شوق میں ندوہ آنا ہوا لیکن دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ کی دشواری کی وجہ سے میرے کرم فرما عم محترم مولانا معین الدین ندوی نے باندہ پہنچا دیا۔ ٹرین شب میں پہنچی

صبح جامعہ عربیہ ہتھورا کے لئے روانگی ہوئی۔ شہر سے تقریباً نو، دس میل کے فاصلہ پر شرقی جانب ہتھورا واقع ہے۔ وہاں تک کوئی سواری بھی نہیں جاتی تھی۔ نو میل اتر کر وہاں سے پیدل جانا پڑا تھا۔ سامان لئے ہوئے، اٹیچی پر سر اٹھائے ہوئے آنکھوں میں آنسو اور بوجھل قدموں کے ساتھ ہتھورا ہم حاضر ہوئے۔ لکھنؤ چھوٹنے کا غم تھا۔ دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ نہ ملنے پر افسوس تھا لیکن حضرتؒ کی ایک نگاہ نے سارے غموں کو کافور کر دیا۔ حضرت نور اللہ مرقدہ نے ایسی شفقت دی کہ وہ سرزمین وطن سے زیادہ محبوب معلوم ہونے لگی۔ درجہ حفظ میں بڑی سہولت سے داخلہ ہو گیا۔ قیام کے لئے حضرت نے اپنے کمرہ سے متصل ایک کمرے میں بعض اہل تعلق کے بچوں کے ساتھ مجھے بھی رکھا۔ ہفتہ بھر کی تعلیم کے بعد جمعہ کو چھٹی ہوتی تھی لیکن حضرت کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کو بھی دس بجے تک درجہ حفظ کے مخصوص طلباء کو تسہیل التجوید (جو حضرت کی تالیف کردہ ہے) کو پڑھاتے تھے اور آموختہ بھی سنتے تھے۔ فدوی کو تسہیل التجوید حرفاً حرفاً حضرت سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا اور قرآن پاک بھی سنایا۔

حضرت کا پورا وقت مدرسہ میں گذرتا تھا۔ مدرسہ کے کاموں میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ تعمیری کاموں میں بہ نفس نفیس شریک ہو جایا کرتے تھے۔ درس و تدریس کی مشغولیت کے ساتھ مالی فراہمی کی ذمہ داری مستزاد تھی۔ لیکن مدرسہ کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ گھر سے جو کھانا آتا تھا جو عام طور پر موٹی روٹی اور چٹنی ہوا کرتی تھی اس پر اکتفا کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر اس کھانے میں طلباء کو بھی شریک کر لیا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت خود اپنا کھانا گھر سے لئے ہوئے ایک پیالہ میں تشریف لائے، کمرے کے دروازہ پر پہنچے تو فدوی پر نظر پڑ گئی۔ حضرت نے کہا کہ خالد دلیا کھاؤ گے میں نے سمجھا دلیا کوئی عمدہ کھانا ہے۔ برجستہ حامی بھر لی، حضرت نے بلا لیا اور اس میں سے اچھا خاصا حصہ عطا فرمایا۔ دلیا کیا تھی، گیہوں کے موٹے موٹے دانے کو نمک ڈال کر ابال لیا گیا تھا۔ گھر میں بڑی عسرت کی زندگی تھی۔ لیکن حضرت کا چہرہ ایسا ہشاش بشاش رہتا کہ دوسروں کو اس کا

اندازہ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ حضرت کے وصال سے کچھ دنوں پہلے تھوڑا حاضری ہوئی۔ حضرت بہت خوش ہوئے۔ جس گاڑی سے ہم بعض اہل تعلق کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اسی گاڑی سے کانپور تک آنے کا حضرت کا بھی پروگرام تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد حضرت نے جلدی کی۔ ایک پیالہ میں حضرت کے منجھلے فرزند مولانا نجیب صاحب نے کارن فلاکس تیار کر کے دیا۔ حضرت نوش فرما رہے تھے کہ اسی اثناء میں فدوی بھی کمرہ میں حاضر ہوا۔ حضرت نے فرمایا خالد دلیا کھاؤ گے لیکن وہ دلیا نہیں ہے وہ غریبی کی دلیا تھی اور یہ امیری کی دلیا ہے۔ یہ کہتے ہوئے حضرت نے وہ پیالہ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے پیالہ ہاتھ میں لیا تو اس میں کارن فلاکس دودھ میں بھگویا ہوا تھا۔ حضرت کی یادداشت پر رشک آیا۔ کیونکہ اس دلیا کو کھائے ہوئے تقریباً 33 سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ حضرت سراپا اخلاص ومحبت تھے۔ آپ کی بارگاہ میں ہندو مسلم، سکھ، عیسائی سبھی آتے تھے۔ بڑے بڑے سادھو سنت بھی حاضری کو سعادت تصور کرتے اور سیاسی بازیگر تو حاضری کو نروان ہی سمجھتے تھے۔ ہر ایک کے ساتھ آپ کا معاملہ خندہ پیشانی، کشادہ روی اور وسعت صدری کا ہوتا تھا۔

ایک دفعہ ایک سادھو کو دیکھا وہ حضرت سے ملنے کے لئے آیا تھا۔ اپنے ساتھ ایک پیتل کی تھالی بھی لایا تھا۔ جب حضرت سے ملاقات ہوئی تو اس نے اس پر اصرار کیا کہ شریمان آپ اجازت دیں، ہم آپ کے پیروں کو دھونا چاہتے ہیں۔ حضرت انکار کرتے رہے لیکن وہ سادھو اسی طرح مصر رہا کہ گویا قسم کھا رکھی ہے یا کوئی نذر مان رکھی ہے جس کو وہ پورا کرنا چاہتا ہے۔ میں نے خود اس منظر کو دیکھا۔ حضرت نے بادل نخواستہ اس عمل کو قبول کیا اور فرماتے رہے اللہ تعالیٰ اسے ہدایت سے نوازے، اس پورے علاقہ میں غیر مسلموں میں عقیدت کا عالم یہ تھا کہ سب آپ کو بابا کہتے تھے۔ وہ عجیب درویش صفت آدمی تھے۔ بلکہ نسخۂ آدمیت تھے۔ درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی آپ نے کیا،

مختلف فنون میں تسہیلات کا سلسلہ آپ نے شروع فرمایا تھا۔لہذا تجوید وقرأت میں تسہیل التجوید، آپ کی معروف کتاب ہے۔اس کے لئے فن نحو،صرف ، بلاغت، اصول فقہ، اصول حدیث اور دیگر موضوعات پرآپ کی سرپرستی اور رہبری میں مفید کتابیں زیورطبع سے آراستہ ہوکر اہل علم کی بارگاہ میں مقبول ہوئیں۔اسکے ساتھ ساتھ وعظ ونصیحت، اسفار کی کثرت ،تعویذ لینے والوں کا ہجوم اور ارادت مندوں کومفید مشورے دینا آپ کی زندگی کا نمایاں وصف تھا۔

آپ کو اللہ عزوجل نے ایسی مرجعیت دی تھی کہ اسلاف کی مرجعیت کی تاریخ سامنے آجاتی تھی لیکن اس کے باوجود طبیعت میں ایسی خاکساری ، انکساری ، تواضع اور سادگی اور ایسی بے نفسی تھی جوان کی ذات کی پہچان بن گئی تھی۔

ایک دفعہ مدراس کے قریب میل وشارم کی مسجد خضر میں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ رمضان المبارک میں قیام پذیر تھے۔ ہر طرف سے آپ کے عقیدت مندوں کا ہجوم تھا۔ بڑے بڑے مدرسوں کے مفتیان کرام آپ کے جلو میں اعتکاف کئے ہوئے تھے۔فدوی اس وقت بنگلور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تعاون کے سلسلہ میں حاضر ہوا تھا۔معلوم ہوا کہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ میل وشارم حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں رمضان المبارک کی فلاں تاریخ کوتشریف لارہے ہیں۔میں اپنے عزیز دوست موسی برادران کے ساتھ میل وشارم حاضر ہوگیا۔حضرت قاری صاحب ابھی تشریف نہیں لائے تھے، مسجد کے ایک حصہ میں چادر بچھا کر لیٹ گئے۔تھوڑی دیر کے بعد ایک مفتی صاحب جوتمل ناڈو ہی کے ایک بڑے مدرسہ کے ذمہ دار تھے۔ وہ آئے انہوں نے میرا نام پوچھا اور یہ کہا کہ یہ جگہ متعلقین کے لئے ہے یہاں چادر کیسے بچھالی، انداز تحکمانہ تھا، تھوڑی سی مجھے بھی ناگواری ہوئی۔دارالعلوم ندوۃ العلماء سے دینی وابستگی کا بھی تذکرہ کیا لیکن میری ایک نہیں چلی بالآخران کی ہی بات رہی اور میں وہاں سے منتقل ہوگیا۔

تھوڑی دیر کے بعد حضرت قاری صاحب تشریف لائے، حضرت کی تشریف آوری کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، ہر طرف سے پروانوں کی طرح لوگ ٹوٹ پڑے۔ میں بھی اس اژدہام میں حاضر تھا۔ حضرت کی نظر پڑتے ہی سینے سے لگالیا اور دعائیں دیں۔ بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ ظہر کی نماز کے بعد ختم پڑھا جاتا تھا۔ ختم محدود دانوں پر پڑھا جاتا تھا اور اژدہام زیادہ تھا لہذا مسجد کے ایک کونہ میں بندہ بیٹھ گیا تاکہ حضرت مفتی صاحبؒ کی دعا میں شرکت شرف حاصل کر سکے۔ ختم پورا ہونے کے بعد حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہ کے ایماء پر حضرت قاری صاحبؒ سے دعا کیلئے درخواست کی گئی۔ حضرت نے بجائے دعا کرنے کے مفتی خانپوری سے فرمایا کہ محمد خالد سدوی کو بلوائے، وہ دعا کریں گے۔ لہذا حضرت کے اصرار پر مجھے حاضر ہونا پڑا۔ حضرت نے اپنے بازو میں بٹھا کر دعا کرنے کو کہا۔ میں نے کہا کہ حضرت ہم تو آپ سے دعا کیلئے حاضر ہوئے ہیں، فرمایا ہم دعا ہی کے لئے تو کہہ رہے ہیں۔

حضرت کی بے نفسی اور خورد نوازی کی اس سے اعلیٰ مثال کیا ہو سکتی ہے۔ آج حضرت ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن آپ کی یادیں ہمارے لئے قوت استحکام کا باعث ہیں۔ وصال کے بعد بندہ نے خواب میں دیکھا کہ جنوں کی ایک جماعت جارہی ہے۔ امیر جماعت سے ملاقات ہوئی تو استفسار کیا کہاں کا قصد ہے، امیر جماعت نے کہا کہ ہم لوگ بہت دور سے آرہے ہیں حضرت قاریؒ صاحب نے وصال کے وقت فرمایا تھا کہ ہمارے مدرسہ کا خیال رکھنا۔ اسی مدرسہ کی حفاظت پر ہمیں معمور کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو کیسی مقبولیت عطا کی تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور آپ کے چھوڑے ہوئے کاموں کی تکمیل کا سامان فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

قاری باندویؒ اور مدرسہ کیلئے آپ کی فکرو کاوش

محمد اعظم جمشید پوری

حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ نہایت متواضع وخاکسار، کم
گفتار، تصوف شعار اور دلدار بزرگ تھے، آپ کی پوری زندگی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
مجموعہ ہے۔ آپ نے اپنی ساری عمر خدمت خلق میں صرف کردی۔ کبھی کسی کے دل کو ٹھیس
نہ پہنچنے دیا۔ دوسروں کے کام آنا آپ کا شیوہ تھا۔ وقت رہنے پر کبھی کسی کی کسی طرح کی بھ
درخواست رد نہیں کی بلکہ اسے تہہ دل سے قبول کیا اور اس کی درخواست پوری کی۔ آپ
اپنی زندگی میں ہر دینی کام میں مدرسہ کو مرکزی حیثیت دی۔ اور اسے ہر ادارہ سے بڑھ
مستحکم، طاقت ور اور حرکت ونمو سے لبریز سمجھا، مدرسہ کی اور مدرسہ کے طالب علم کی ذم
داری، موجودہ دور میں اس کا کردار، دنیا کے نقشہ میں اس کی حیثیت، انسانیت کے لئے ا
کی مسیحائی وجاں نوازی اور اس کے عظیم علمی ودعوتی مقاصد وفوائد کی اہمیت کا آپ کو بخو
اندازہ تھا۔ اور ایک مدت سے کسی مدرسہ کے قیام کی تمنا آپ کے دل میں موجزن تھی
آپ نے ماہنامہ ''الفرقان'' میں کسی بزرگ کے ہمت مردانہ اور عزم جواں کا واق

پڑھا تھا۔اس واقعہ نے آپ کے دل کی پوشیدہ بیتابیوں میں اور لہر پیدا کر دی۔ اس تاثیر وکیف اور درد و سوز نے آپ کو باندہ کے ایک دور افتادہ علاقہ ہتھورا میں ایک مرکزی مدرسہ کے قیام پر آمادہ کیا اور آپ نے اس ریگستانی وصحرائی علاقہ میں جو قزاقوں اور رہزنوں کا اڈہ تھا ایک چشمہ حیواں جاری کیا جہاں سے ہزاروں تشنہ لب دریا بداماں واپس ہوئے اور آج بھی سیکڑوں طلبہ اس ریاض علم میں مصروف گل چینی اور محو چمن آرائی ہیں۔

مدرسہ کے بارے میں آپ کی آرزوئیں اور مدرسے کیلئے مسلسل تگ ودو کا اندازہ آپ کے مندرجہ ذیل فرمودات وواقعات سے ہوسکتا ہے۔ ایک تقریر کے دوران فرمایا ''ممبئی جیسے بڑے شہروں میں ہر محلہ میں مکتب قائم ہونے کی ضرورت ہے اور اس کی بھی ضرورت ہے کہ ایک بڑا ادارہ ہے۔ مکاتب سے بڑھ چڑھ کر طلبہ بڑے اداروں میں داخل ہوں لیکن اب تک شہروں میں مکاتب کا رواج نہیں، ممبئی جیسے بڑے شہروں میں جو بھی جاتا ہے پیسہ وصول کرنے جاتا ہے۔اس کی فکر کسی کو نہیں کہ وہاں جا کر مدرسہ قائم کرے ورنہ اگر کوشش کی جاتی تو نا معلوم کتنے مدرسے ہوگئے ہوتے۔ ہر محلّہ میں مدرسہ ہوتا۔لیکن افسوس کہ اس طرف لوگوں کی توجہ نہیں۔

اسی طرح ایک عالم صاحب رد قادیانیت پر اپنے علاقہ میں کام کر رہے تھے اس کیلئے انہوں نے ایک تنظیمی مجلس بنائی تھی۔اس سلسلہ میں حضرت سے مشورے فرمارہے تھے۔حضرت نے ان سے ایک اہم بات فرمائی کہ یہ ساری چیزیں ضمنی ہیں اصل چیز مدرسہ ہے۔ پہلے ایک مدرسہ کی فکر کرو، اس کو مرکز بناؤ اور ساری چیزیں اس کے تابع ہوں اس کے بغیر کام مشکل ہوتا ہے۔حضرت مدرسہ کے قیام کی فکر میں کئی کئی میل تنہا پیادہ پا سفر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ بیان فرمایا۔ایک مرتبہ کئی دیہاتوں کا سفر کرتے کرتے راستہ بھٹک گیا، اچانک کسی ایسے جنگل میں جا پہنچا جہاں سے دور دور تک آبادی نظر نہیں آرہی تھی، میں جنگل میں بالکل تنہا، رات ہوگئی، اچانک دیکھا کہ سامنے سے دو بھیڑیئے

آرہے ہیں اب میں بہت پریشان ہوا۔ اسی وقت اللہ سے دعا کی اور یہ آیت پڑھی " انهم یکیدون کیداً واکید کیداً فمهل الکافرین امهلهم رویداً"۔ وہ بھیڑیئے بھاگ گئے بڑی مشکل سے راستہ ملا، اور ایک گاؤں میں ہندو کے یہاں رات گذاری۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے ابتدائی دور کی بات ہے کہ ایک مرتبہ حسب معمول تنہا لمبے سفر سے واپس ہورہے تھے۔ اور مدرسہ کی خاصی رقم بھی حضرت کے پاس موجود تھی اتنے میں چند بدمعاش سامنے آئے اور حضرت سے پوچھا: تمہارے پاس کچھ ہے؟ حضرت نے فرمایا مدرسہ کی امانت ہے، بدمعاشوں نے پوچھا اور کون ہے تمہارے ساتھ؟ حضرت نے فرمایا: پیچھے کچھ لوگ آرہے ہیں، اتنے میں واقعی پیچھے سے آنے والوں کی آواز آئی اور ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی بیل گاڑی سے آرہا ہے۔ اس آواز کے سنتے ہی بدمعاش ڈاکو بھاگ گئے۔ حضرت خیر وعافیت مدرسہ تشریف لائے اصلاً حضرت تنہا تھے، پیچھے سے آنے والی نہ کوئی بیل گاڑی تھی نہ دوسرے حضرات، بس یہ منجانب اللہ غیبی نصرت تھی۔

آج کے بیمار اور مشکلات سے زار ونزار عالم اسلام کو اسی قسم کے لوگوں کی ضرورت ہے، اور اگر مدارس کے خوش نصیب طلبہ اس کیلئے اپنے کو تیار کریں تو ناقص وسائل اور قلت تعداد کے ساتھ ایسے محیر العقول واقعات غیر معمولی نصرت اور حیرت انگیز تبدیلیاں وجود میں آسکتے ہیں جن کا تصور بھی ان کے لئے آج آسان نہیں۔

☆☆☆

قاری صدیق احمد صاحبؒ ہردلعزیز شخصیت

اشرف علی رشیدی

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے واسطے انبیاء کرام کو بھیجنے کا سلسلہ تو ختم فرمادیا
لیکن مصلحین ومرشدین کا سلسلہ ختم نہیں فرمایا۔ چنانچہ سرکار دوعالم امام الانبیاء خاتم المرسلین
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا لیکن اپنے بعد صحابہؓ کی ایک ایسی
جماعت چھوڑی جس کا ہر فرد مصلح بھی تھا اور معلم ومرشد بھی۔ حضرات صحابہؓ کے بعد ہر دور اور ہر
زمانے میں ایسے افراد واشخاص پیدا ہوتے رہے جنہوں نے بالواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
علم نبوت اور نور نبوت کا اکتساب کیا اور اس کی روشنی میں امت مسلمہ کی دینی واخروی رہبری و
رہنمائی فرمائی انہیں نفوس قدسیہ میں سے ایک مبارک ہستی جس کا وجود خالق کون ومکاں نے
چودھویں اور پندرھویں صدی کے مسلمانوں کی اصلاح وہدایت کے واسطے مقدر فرمایا تھا جس
کو دنیائے اسلام صدیق احمد کے نام سے جانتی ہے۔ جس کی روحانی تربیت حکیم الامت مجدد
ملت حضرت مولانا الشاہ اشرف علی تھانویؒ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ
(ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور) نے فرمائی تھی اور آخر میں یہ کہہ کر رخصت فرمایا تھا کہ اگر
خدا نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ تم دنیا سے کیا لائے ہو تو میں صدیق احمد کو پیش کردوں گا۔ یہ اس
شخص کا فرمان ہے جس کے متعلق حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ نے الفرقان میں تحریر
فرمایا تھا کہ مولانا اسعد اللہ صاحب سے کبھی گناہ کبیرہ سرزد نہیں ہوا۔ نیز انتقال کے دن حاضرین
سے فرمایا کہ میری تاریخ پیدائش سے آج تک کا حساب لگا کر بتایئے کہ کتنے دن ہوتے ہیں
حاضرین نے بتادیا کہ اتنے دن ہوتے ہیں تو فرمایا الحمد للہ جتنے میری زندگی کے دن ہوئے ہیں
میں نے اتنی ہی صلوۃ التسبیح پڑھ لی ہیں۔ ظاہر بات ہے جب مرشد ومربی اتنے بلندی کا حامل

ہوتو لائق اور ہونہار شاگرد کے اندر بھی وہی صفات اور خصوصیات ہونی چاہئیں۔ چنانچہ حضرت قاری صدیق احمد صاحبؒ ایسے عارف باللہ خدارسیدہ انسان تھے جس کی بزرگی کے مسلم وغیر مسلم بھی قائل تھے چنانچہ اس علاقہ کے ہندو آپ کو دیوتا مانتے تھے۔

آپ نے خالق کی محبت میں خدمت خلق کو اس قدر اپنایا کہ اس کیلئے مسلم وغیر مسلم کا امتیاز نہیں برتا۔ آپ نے ادنیٰ درجہ کے انسان کی ضرورتوں پر ترجیح دی اور جب بھی کسی نے آپ کو بلایا تو آپ نے بلا عذر اس کی دعوت کو قبول کیا حتی کہ بعض مرتبہ لوگوں نے صرف نکاح پڑھانے کی غرض سے آپ کو بلایا تو دور دراز کا سفر محض اس کی خاطر طے فرمایا دل شکنی وناامیدی اور منافرت گویا کہ آپ کے یہاں کفر کے مترادف تھی علم دین حاصل کرنے والے طلباء کا غایت درجہ اکرام فرماتے اور ان کی خدمت کرتے۔ ان کی آرام وراحت کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے۔ بعض مرتبہ مدرسہ کے ضابطے کے تحت کسی طالب علم کا کھانا بند ہو جاتا تو اس کو اپنے گھر لے جا کر کھلاتے۔

حضرت قاری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بزرگی کے ساتھ ساتھ تبحر علمی بھی عطا فرمائی چنانچہ تفسیر وحدیث فقہ وتجوید منطق وفلسفہ میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا آپ کی تصنیفات اس بات کی پورے طور پر شاہد ہیں بلاشبہ آپ علم نبوت کے بلند منارہ تھے اور نور نبوت کے روشن ستارہ تھے۔ حسن سیرت اور وسعت اخلاق کے بحر بیکراں تھے۔ فکر انسانیت اور اصلاح امت کیلئے ہمہ وقت رواں دواں تھے۔ اپنے وقت کے علماء اہل حق کے میر کارواں تھے مگر افسوس کہ اب ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ ہمارے قلوب اب صرف تصور ہی کر سکتے ہیں لیکن آنکھیں تادم آخر دیدار کو ترستی رہیں گی۔ زمانے کو برس نہیں بلکہ صدیاں گزارنی پڑتی ہیں تب کہیں ایسے انسان دیکھنے کو نصیب ہوتے ہیں۔ شاعر نے خوب کہا ہے

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

☆☆☆

سلف صالحین کا دلکش نمونہ

قاری محمد ریاض مظاہری

دنیا کے باکمال انسانوں، جامع الجہات ہستیوں اور عظیم شخصیتوں کی طرح
ہمارے مخدوم ومربی مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی علیہ الرحمہ بھی گوناگوں فضائل
وکمالات اور نوع بہ نوع خصوصیات وامتیازات کے مالک تھے۔ مگر ان کی جامعیت
اور افادیت بھری شخصیت کے مختصر تعارف کے لئے ان کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ
وہ علم وعمل کا پیکر مجسم تھے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ دنیا میں اہل علم وفضل کی کمی نہیں لیکن اچھے اور
پاکیزہ عمل کی کمی یقیناً محسوس ہوتی ہے۔ اور اہل علم وفکر کی بے عملی اور بد عملی کی شکایت عام
ہیں جس عمل کے عمومی فقدان کے موجودہ ماحول میں حضرت مولانا علیہ الرحمہ کا حسن عمل، ا
صلاح وتربیت، دعوت وتبلیغ اور اقامت دین کے میدان میں ان کی بے مثال فعالیت
اور قوت عمل کو دیکھتے ہوئے اگر ہم یہ کہیں کہ ان کا عمل ان کے علم وفضل سے بڑھا ہوا تھا تو
بھی اس میں کوئی غلو نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر آشوب دور میں حضرت مولانا علیہ الرحمہ
سے دین اور علم دین کے جو عملی کام لئے اور عملی میدان میں انہوں نے جو خدمات جلیلہ

انجام دیں وہ امت ملت کے لئے نمونہ ہیں۔ اوراب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دوردور تک تاریک تاریک خاموشی اور سکوت ہے۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان اخلاق حسنہ کے خاص مظہر تھے جن کا تعلق دوسرے بندگان خدا سے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ ان میں وہ تواضع وانکساری تھی کہ جس کیلئے اسلاف نے کہا ہے کہ انسان میں مٹی کی سی تواضع چاہئے۔ ان سے ملنے والا کبھی یہ محسوس نہیں کرتا تھا کہ وہ اپنے کو کسی بھی معاملہ میں بہتر وبرتر سمجھتے ہیں ان کی سادگی وبے تکلفی بھی اسی انکساری کا نتیجہ تھی۔ وہ ہر موسم میں اور دور دراز ودشوار گذار علاقوں کے دعوتی اسفار پر روانہ ہوجاتے تھے۔ اوراس کے لئے سائیکل اور بیل گاڑی اور تانگہ پر بیٹھنے میں کسی طرح تکلف نہ کرتے تھے۔ اس خادم کے زمانہ طالب علمی کا واقعہ ہے کہ حضرت مولانا علیہ الرحمہ مشکوٰۃ شریف کا درس دے رہے تھے کہ دوران درس چند مہمان بذریعہ کار مدرسہ حاضر ہوئے۔ وہ حضرت کو ہمیر پور لے جانا چاہتے تھے۔ حضرت درس سے فارغ ہوکر سفر کی تیاری میں تھے کہ اچانک حضرت کے آباء واجداد کے وطن چھنیرا سے ایک شخص بیل گاڑی لیکر حاضر ہوااس کی بچی کا نکاح تھا حضرت مولانا بغیر کسی تکلف کے اس بیل گاڑی پر سوار ہو گئے اوراس شخص سے چھنیرا چلنے کو فرمایا۔ مہمانوں سے فرمایا کہ میں ابھی تھوڑی دیر میں حاضر ہوتا ہوں۔ متعلقین نے ہر چند عرض کیا کہ حضرت کار کے ذریعہ تشریف لے جائیں گاڑی حضرت ہی کیلئے ہے۔ لیکن حضرت نے کسی طرح اس کو قبول نہ فرمایا اور بیل گاڑی پر سوار ہوکر گاؤں چھنیرا تک گئے پھر نکاح میں شرکت فرما کر واپس تشریف لائے۔ اسی تواضع وانکساری کا نتیجہ تھا کہ اپنے چھوٹوں کو بھی اکثر معاملات میں آگے رکھتے تھے اوران کی ہر طرح ہمت افزائی فرماتے تھے۔

حضرت مولانا علیہ الرحمہ حدیث نبوی انما بعثت معلما کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ ساری عمر درس وتدریس میں لگے رہے زندگی کی آخری سانس تک ایک لمحہ بھی غیر تدریس میں نہ گذرا، اس لئے طلباء واساتذہ اوراہل مدارس کیلئے ان کی زندگی بطور خاص مثالی نمونہ

اور اسوۂ حسنہ ہے۔ سبق کے لئے پوری تیاری اور عدم ناغہ، مشکل مقامات کے حل کیلئے اپنے خوردوں سے بھی استفسار و استفادہ، صبح سے رات تک درس میں مشغولیت اور طلباء کے مستقبل کی فکر ایسی گرانقدر چیزیں ہیں جن کو ہر استاذ و معلم کو اپنانا چاہئے۔

حضرت علیہ الرحمہ کے یہاں ناغہ کا تصور نہ تھا ہم طلباء نے پورے سال شرح جامی فجر سے پہلے پڑھی ہے بلکہ اس کا درس ہی قبل فجر ہوتا تھا۔ حضرت قاری صاحب کی ایک عظیم کرامت یہ بھی تھی کہ پورے سال اسفار کا لامتناہی سلسلہ اور کتابیں سب سے زیادہ آپ کے پاس تھیں۔ رات کے کسی بھی حصہ میں سفر سے واپس تشریف لائے درس گاہ میں بیٹھ جاتے اور درس شروع ہو جاتا۔ یہی وجہ تھی حضرت علیہ الرحمہ کی کتابیں دوسرے اساتذہ کے مقابلہ میں پہلے ختم ہوتی تھیں۔ افہام و تفہیم کا ایسا ملکہ حاصل تھا کہ شریک درس طالب علم اسی طرح مشکل سے مشکل ترین عبارت سمجھ لیتا تھا جیسے کسی شیریں چیز کو پانی میں حل کر کے پلا دیا گیا ہو۔

اسی کے ساتھ ہی طلباء کے ساتھ پدرانہ شفقت، ان کی حاجات کی کفالت، ان کی اصلاح و تربیت کی فکر اور ان کے مستقبل سے دلچسپی ان کی ایسی خوبیاں تھیں جن کو صدیوں یاد کیا جاتا رہے گا اور اپنے اوپر ماتم کیا جاتا رہے گا۔ طلباء کو مہمان رسول کہا جاتا ہے لیکن ان کے ساتھ ان کے شایان شان معاملہ نہیں کیا جاتا۔ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے مشفقانہ طرز عمل سے طالبانِ علوم نبوت کے شایان شان معاملہ کیا جس کے وہ واقعی مستحق تھے۔

حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی بلند شخصیت کا ایک غیر معمولی پہلو ان کی تحریری تالیفی اور تصنیفی خدمات پر مشتمل ہے۔ عموماً تدریس و تصنیف میں اب تضاد سا پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ ہمارے اساتذہ و معلمین تحریری استعداد سے خالی ہوتے ہیں یا اس کا عکس، اس کے برخلاف ہمارے حضرت علیہ الرحمہ کو اللہ تعالیٰ نے تصنیفی صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا۔ مشکل ترین کتب، سلم العلوم، شرح جامی کی شروحات لکھ کر اکابرین علماء کی اس منت دیرینہ کو عصر حاضر میں زندہ کر کے دکھا دیا۔

اصلاح بین الناس اور مسلم معاشرے کے اتحاد واتفاق کی انہیں خاص فکر لاحق رہتی تھی۔ کسی خاندان اور کسی طبقے میں اختلاف کی خبر ملتی تو اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتے تھے جب تک کہ آپس میں صلح وصفائی نہ کرا دیں۔ یہ خادم ایک واقعہ کا مشاہد ہے کہ باندہ ضلع میں عالم پور کے نام سے ایک بڑا گاؤں ہے وہاں سالہا سال سے آپسی اختلافات اور گروہ بندیاں تھیں کئی اشخاص شہید بھی ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فہم نصیب فرمائی اور انہوں نے آپسی صلح کرنا پسند کرلیا۔ ایک جلسہ کا اہتمام کیا اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو مدعو کیا حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ تم کو بھی ساتھ چلنا ہے اور نعت پاک پڑھنی ہے۔ یہ خادم بھی ساتھ گیا۔ حضرت مولانا نے انتہائی موثر بیان فرمایا، درمیان میں بار بار آبدیدہ ہوجاتے۔ جلسہ کے اختتام پر جو رقت آمیز دعا فرمائی ہے اس سے اس کی قبولیت کا اسی وقت مشاہدہ ہو رہا تھا۔ ہر شخص اسی طرح رو رہا تھا جیسے اس کے گھر میں کسی کا انتقال ہوگیا ہو۔ حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی ان خصوصیات وامتیازات کے پیش نظر ان کی شخصیت ایک انسان کامل، مرد مومن اور ایک مثالی مسلمان کا چلتا پھرتا، جیتا جاگتا دلکش ودلآویز نمونہ تھی۔ ان کی شخصیت سیرت وسنت کے سانچے میں ڈھل کر انسانیت وشرافت، تقویٰ وطہارت، امانت ودیانت، اخلاق محمدیہ اور اخلاص فکر وعمل کا پیکر جمیل بن گئی تھی۔ دین کی حفاظت واشاعت اور مسلمانوں کی سربلندی وسرفرازی کے لئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل اور طرز حیات ایک مثالی نمونہ ہے اور ہر مسلمان کیلئے لائحہ عمل ہے۔

☆☆☆

مولانا حافظ قاری صدیق احمدؒ ثاقبؔ باندوی

عرفان عباسی

ثاقبؔ تخلص، صدیق احمد نام، ہتھورا ضلع باندہ مواز، مسکن و مدفن۔

حافظ، قاری، معلم، مبلغ، عابد، متقی، پرہیزگار، معصوم صفت، نیک طینت، رحم دل، صابر، قانع، جفاکش اور بے لوث خادم خلق صاحب بصیرت بزرگ مولانا صدیق احمد باندوی اپنی جملہ خصوصیات کی بنا پر ملک کے گوشہ گوشہ میں عقیدت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے معتقدین، مریدین میں لاتعداد مختلف مذاہب اور فرقوں سے تعلق رکھنے والے شامل ہیں۔

مولانا ایک کاشتکار گھرانے کے فرد سید احمد (م 1929ء) کے گھر اپنے آبائی وطن ہتھورا ضلع باندہ میں شوال 1314ھ مطابق 1923ء میں پیدا ہوئے تھے وہیں سے تعلیم کا آغاز ہوا۔ پہلے استاد ان کے ماموں قاری امین الدین تھے۔ اس کے بعد مدرسہ تکمیل القرآن کانپور، مدرسہ جامعہ قاسمیہ مرادآباد پھر دہلی، پانی پت، مظفرپور وغیرہ دینی وعلمی درسگاہوں سے استفادہ کیا۔ آخر میں مظاہر العلوم، سہارنپور میں تکمیل تعلیم کی اور فارغ ہوئے۔ ان کے اساتذہ میں اپنے زمانہ کے مشہور جید علماء وفضلاء شامل تھے جو انہیں خداداد صلاحیتوں، دینی جذبہ، حق گوئی، نیک نفسی اور شیریں گفتاری کی بنا پر عزیز رکھتے تھے۔

تکمیل تعلیم کے بعد دینی و دنیوی علوم کے فروغ کی کوششوں میں منہمک ہوگئے۔ جن کا آغاز مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں تدریسی خدمات انجام دینے سے ہوا پھر کچھ دن مدرسہ اسلامیہ فتح پور سے منسلک رہے لیکن ان کے ذہن میں جو اعلیٰ منصوبے تھے ان کی تکمیل ان درسگاہوں سے وابستہ رہ کر ممکن نہیں تھی اسی خیال سے مستعفی ہوکر 1952ء میں وطن واپس آگئے۔ اور اس علاقہ کو دیرینہ خواہشات کی تکمیل کیلئے مرکزِ عمل قرار دے کر ساری زندگی مادی دنیا سے الگ الگ خوش حالی سے محرومی، تنگ دستی، فقر و فاقہ اور حالات کی نامساعدی کے باوجود تعلیمی و تبلیغی خدمات میں گذار دی۔

انہوں نے ضلع و شہر باندہ کے متعدد مقامات پر مدارس دینی قائم کیے جو ناسازگار حالات کی بنا پر تھوڑے تھوڑے عرصہ میں بند کر دینا پڑے۔ اس کے بعد اپنے وطن ہتھورا میں ہی 1956ء میں درسگاہ "مدرسہ خزینۃ العلوم" کی بنیاد ڈالی جس میں ابتداء میں صرف تین طالب علم تھے جنہیں حضرت مولانا چھپر کے سایہ میں یا گاؤں کی مسجد میں درس دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کی انتھک منت، خلوص، لگن، نیکی اور تقویٰ نے اس دینی مدرسہ کو "جامعہ عربیہ ہتھورا"، جیسی مشہور دینی درسگاہ بنا دیا جس کی تعلیم و تدریس اور ضبط و نظم کی شہرت ملکی سرحدیں پار کرگئی ہے۔ جامعہ کی اپنی شاندار عمارت ہے۔ کثیر تعداد میں دینی و عصری تعلیم حاصل کرنے والے طلباء ہیں، اساتذہ ہیں، کتب خانہ ہے، مطبخ ہے، مہمان خانہ ہے اور تقویٰ و کردار کی حرارت پیدا کرنے والا نصاب تعلیم ہے، جس سے ملت اسلامیہ فیضیاب ہو رہی ہے۔ قاری صدیق صاحب دینی و تعلیمی سرگرمیوں و ہمہ وقت مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف کے لئے بھی وقت نکال لیتے تھے اور ایک درجن بڑی چھوٹی کتابوں کے مصنف تھے۔

قاری صاحب ملک کے مختلف گوشوں میں منعقد ہونے والے تبلیغی و دینی اجتماعات میں بکثرت شرکت کرتے تھے۔ قاری صاحب کی سادہ و عام فہم الفاظ میں تقاریر کا لفظ لفظ دلوں میں اتر جاتا تھا۔ انہوں نے غیر ملکی سفر بھی کیے تھے اور تین بار حج بیت اللہ

کی سعادت بھی حاصل کی تھی۔

قاری صاحب خوش کلام شاعر بھی تھے، ثاقبؔ تخلص کرتے تھے اور نعت رسولؐ بڑے عقیدت واحترام کے ساتھ والہانہ انداز میں کہتے تھے۔ ان کا ایک شعری مجموعہ ''کلام ثاقب'' شائع ہو چکا ہے۔

تقریباً 75 سالہ زندگی فروغ علم، دینی خدمات اور اصلاح معاشرہ کی کوشش میں گزار کر 28 اگست 1997ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ خبر وفات نے سارے ملک میں تہلکہ مچادیا۔ سوگواروں کا ایسا جم غفیر باندہ ضلع نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ تقریباً تین لاکھ مریدوں، تلامذہ، عقیدت مندوں اور قدر دانوں نے بادیدۂ نم اسی دن دس بجے رات جسد خاکی ان کے آبائی قبرستان کو سونپ دیا۔

نمونۂ کلام

کسی کی دعا کا اثر دیکھ آئے
مدینے کی شام وسحر دیکھ آئے

مدینے کے کوچے مدینے کی گلیاں
نبیؐ کی ہر اک رہ گزر دیکھ آئے

وہ طیبہ کے دشت وجبل اور صحرا
وہاں کے شجر اور حجر دیکھ آئے

وہ سرسبز گنبد پہ شبنم کے قطرے
مقدر سے باچشم تر دیکھ آئے

وہ پرنور روضہ مکیں جس کے سرور
نظر تو نہ اٹھی۔ مگر دیکھ آئے

وہ ازواج کے گھر وہ ابواب رحمت

خوشا ہم بھی وہ بام و در دیکھ آئے
منور وہ روضہ کی جالی کی جانب
لرزتے ہوئے اک نظر دیکھ آئے

بقیع کا وہ منظر صحابہؓ کا مدفن
فداجس پہ شمس وقمر دیکھ آئے

حقیقت میں یہ میرے رب کا کرم ہے
حبیب خدا کا جو گھر دیکھ آئے

یہ انعام باری ہوا تم پہ ثاقبؔ
دیار شہ بحر وبر دیکھ آئے

☆☆☆

دیارِ پاک ہوتا اورہوتی یہ جبیں میری
خدا کی رحمتوں سے زندگی ہوتی حسیں میری
گزرجائے یہ باقی عمر ان کے آستانے پر
جہاں ہیں سرور عالم بنے تربت وہیں میری
کسی لائق نہیں ثاقبؔ مگر امید کرتا ہے
نظربس آپ ہی پر ہے شفیع المذنبیں میری

☆☆☆

ذکر خدا میں ہر دم رہنا سب کے بس کی بات نہیں
خواہش نفس سے بچتے رہنا سب کے بس کی بات نہیں
دین کی خاطر گھر گھر جانا طائف جاکر پتھر کھانا

پھر بھی دعائیں دیتے رہنا سب کے بس کی بات نہیں

انگلی سے اشارہ چاند کی جانب سارے انساں کرتے ہیں

انگلی سے چاند کے ٹکڑے کرنا سب کے بس کی بات نہیں

اصحابؓ تو سب کے سب مخلوق میں سب سے افضل ہیں

صدیقؓ کا جیسا عاشق ہونا سب کے بس کی بات نہیں

دنیا کے سلاطیں دنیا بھر میں گشت لگاتے پھرتے ہیں

فاروقؓ کا جیسا گشت لگانا سب کے بس کی بات نہیں

عثمان غنیؓ کا ہمسر ہونا مال میں بیشک ممکن ہے

ذی نورین کا رتبہ پانا سب کے بس کی بات نہیں

اسلام کا جھنڈا ہاتھ میں لے کو حیدرؓ آکے بڑھتے ہیں

خیبر جاکر قبضہ کرنا سب کے بس کی بات نہیں

معرکہ حق وباطل تو چلتا ہی رہے گا آخر تک

حق کی حمایت کرتے رہنا سب کے بس کی بات نہیں

دشمن سے بدلہ لینے کا ہرایک کے دل میں جذبہ ہے

دشمن کو گلے سے اپنے لگانا سب کے بس کی بات نہیں

کفر کی ایسی ظلمت میں ایمان بچانا مشکل ہے

اس دور میں مسلم بن کر رہنا سب کے بس کی بات نہیں

عشق نبیؐ کا دعویٰ تو آسان بہت ہے اے ثاقب

فرمانِ نبیؐ پرعامل ہونا سب کے بس کی بات نہیں

☆☆

وفورِ عشق میں ہر جذبۂ دل میرے کام آیا

کبھی لب پر درود آیا، کبھی لب پر سلام آیا

سفینہ جب گھرامیرا حوادث کے تھپیڑوں میں
بے تسکین خاطر اب یہ میرے ان کا نام آیا

میرے مجروح دل کو ہوگئی تسکیں یوں حاصل
کبھی ان کا سلام آیا کبھی ان کا پیام آیا

بہت تاریک تھی دنیا، یہاں ظلمت ہی ظلمت تھی
ہواروشن جہاں جس وقت وہ ماہ تمام آیا

حقیقت میں انہیں کے پاس ہے کونین کی دولت
نظرجن اہل دل کو جلوۂ حسن تمام آیا

مرے اعمال بدتو لے چلے تھے نار کی جانب
غلام ہونا ہی ان کا ایسے آڑے وقت کام آیا

مدینہ میں پہنچ کر قلب مضطر نے اماں پالی
اگرچہ راہ میں میری حرم بھی اک مقام آیا

کہاں ایسا مقدر تھا کہ ؛ ۔ کو یاد کرلیتے
انہیں کا فیض ہے اپنے لیے بھی اب پیام آیا

بتاؤں کیا تمہیں ثاقب ملا کیا نعت گوئی میں
بوقت مرگ اپنے ساقیٔ کوثر کا جام آیا

☆☆

نہ صہبا سے ہے کچھ رغبت نہ ساغر یادآتے ہیں
مجھے ہر حال میں ساقیٔ کوثر یاد آتے ہیں
مظالم اہل دنیا کے میں خو ہی بھول جاتا ہوں

تن نوری پہ جب طائف کے پتھر یاد آتے ہیں
چلے بارِ نبوت لے کے شانوں پر شب ہجرت
رفیق غاروہ صدیقؓ اکبر یاد آتے ہیں
نظر آتی ہے جب ہلچل کبھی ایوان باطل میں
عمر فاروقؓ کے اس وقت تیور یاد آتے ہیں
لقب عثمانؓ ذوالنورین کاان کو ملا جب سے
حیاوحلم کے مجھ کو وہ پیکر یاد آتے ہیں
بدل جاتی ہے جرأت سے ہماری بزدلی اس دم
ہمیں حیدرؓ کے جب خیبر کے جوہر یاد آتے ہیں
خدا کی راہ میں جب بھی کوئی ہم کو ستاتا ہے
بلالؓ ویاسرؓ وسلمانؓ وبوذرؓ یاد آتے ہیں
کسی مسجد میں جاکر جب بھی سجدہ ریز ہوتا ہوں
نبی کی مسجد ومحراب ومنبر یا د آتے ہیں
کرم سے جن کے منزل تک رسائی ہوگئی ثاقبؔ
مجھے راہِ ہدایت کے وہ رہبر یاد آتے ہیں

☆☆☆

تمنا ہے کہ گلزار مدینہ اب وطن ہوتا
وہاں کے گلشنوں میں کوئی اپنا بھی چمن ہوتا
بسر اب زندگی اپنی دیارِ قدس میں ہوتی
وہیں جیتا وہیں مرتا وہیں گور وکفن ہوتا
میرے بال وپر ہوتے تو میں اڑ کر پہنچ جاتا

زہے قسمت کہ اپنا آشیاں ان کا چمن ہوتا
نمازوں میں انہیں کے در پہ کرتا میں جبیں سائی
تلاوت کا ترنم اور جنت کا چمن ہوتا
مقدر سے رسائی ان کے در تک کاش ہو جاتی
متاع جاں نثارِ روضۂ شاہ زمن ہوتا
سبھی کچھ ہے مگر جب وہ نہیں کچھ بھی نہیں حاصل
جہاں میں ہوں وہیں اے کاش وہ جلوہ فگن ہوتا
خدا شاہد ہے کہ ہم سارے جہاں پر حکمراں ہوتے
رسول پاکؐ کی سنت اگر اپنا چلن ہوتا
تمنا ہے کہ کٹتی عمر ان کے آستانے پر
عنایت ہوہ گر ہوتی کرم سایہ فگن ہوتا
خوشا قسمت کہ ہوتا کوچۂ محبوب میں مسکن
انہیں کی راہ میں قرباں اپنا جان وتن ہوتا
یہی ہے آرزو ثاقب یہی اپنی تمنا ہے
کہ پیوند بقیعِ پاک اپنا بھی بدن ہوتا

ماہ صیام

مبارک ہو مسلمانوں کہ پھر ماہِ صیام آیا
خدا کی رحمتوں اور برکتوں کا اژدہام آیا
خدا کا شکر ہے فصل بہار جانفزا آئی
خوشا قسمت کہ پھر سے موسم صوم وقیام آیا
زمانہ آگیا کہ لطف باری عام اب ہوگا

نصیب اپنے کہ پھر سے زندگی میں یہ مقام آیا

قیامت میں یہ روزہ ڈھال ہوگی روزہ داروں کی

یہ سرمایہ بھی اپنا کیسے آڑے وقت کام آیا

ہدایت کے صحیفے سب کے سب اس ماہ میں اترے

اسی ماہ مبارک میں اماموں کاامام آیا

اسی میں رات اک آئی ہزاروں رات سے بہتر

کہ جس میں چشمہ رحمت سے بندوں کو سلام آیا

گزاری جس نے ساری زندگی اپنی اطاعت میں

اسی کے واسطے جنت سے ہی دنیا میں جام آیا

دوبارہ زندگی آئی سکونِ دل ہوا حاصل

زباں پر جب محمد مصطفیٰؐ کا پیارا نام آیا

جو پہنچا حشر میں ثاقبؔ فرشتے یہ پکار اٹھے

محمدؐ کے غلاموں کے غلاموں کا غلام آیا

قطعه

وہ زباں کیاجس زباں پر ذکر ربانی نہ ہو

وہ بشر کیا پیش حق خم جس کی پیشانی نہ ہو

میری منزل میں اگر آگے پریشانی نہ ہو

یاالٰہی نزع کے عالم میں آسانی نہ ہو

☆☆☆

تعزیت نامہ

اکرام الرحمٰن خاں ربطؔ رحمانی سیتاپور

لاؤں کہاں سے ڈھونڈ کے اس جیسا آدمی
وہ حق پرست، عزم وارادوں کا تھا دھنی

ہرلمحہ زندگی کا تھا سنت کی پیروی
پوری حیات گویا تھی قرآں کی روشنی

صدیق وقت، مصلح اعظم، فدائے دین
اس کو درِ حبیبؐ سے ملتی تھی روشنی

وہ بوریہ نشیں بڑا پرخلوص تھا
اللہ اس کی کیسی تھی پاکیزہ زندگی

وہ فاتح جہاں، وہ دلوں کا تھا حکمراں
پیہم عمل سے اس کی تھی کل زندگی بھری

عارف، فقیہ اوروہ کردار بے مثال
باغِ رسولؐ کی وہ شگفتہ سی تھی کلی

دیدار اس کا لاکھوں دلوں کا سکون تھا
تعویذ اور پھونک سے سب کو شفا ملی

ابدال اس کے در پہ سلامی کو آتے تھے
دین محمدیؐ کا نمونہ تھا وہ ولی

وہ ارتقاء کی منزلیں طے کرکے چل دیا
قحط الرجال میں نہ ملے گی شگفتگی

اس کی کرامتوں کا زمانہ ہے معترف
''زندہ ولی تھے'' کہہ یہ رہے ہیں میاں علی

☆☆☆

قطعہ تاریخ وصال زاہد یگانہ صوفی زمانہ حافظ وقاری حضرت

صدیق احمد باندویؒ

بانی جامعہ عربیہ ، ہتھورا ضلع باندہ

زہد وتقویٰ پر بسر کی عمر بافیضِ اسم
دامنِ رحمت سے وابستہ ہوئے یوں محترم

حافظ وقاری تھے، تھا ذکرو بیاں جن کا کلام
لمحہ لمحہ درس وتدریسِ محبت میں تھا ضم

تھی عجب کیفیتِ بیم ورِجا شام وسحر
عمر بھر سجدہ کناں ہوتے رہے باچشمِ نم

مذہب وملت کا تھا ہرگز نہ کوئی امتیاز
سب پہ یکساں تھی عنایت سب پہ یکساں تھا کرم

سن کے معبودِ حقیقی کی طرف پروازِ روح
شق ہوا فرقت سے دل ہوتی گئی ہر آنکھ نم

داغِ فرقت داشتم اے عظمتِ دارالعلوم
حیف یحییٰ چوں جراحت ہائے بے مرہم شدم

دینِ حق کے واسطے جس نے گزاری ساری عمر
ہے اُسی کے واسطے آراستہ باغِ ارم

از چودھری محمد یحییٰ۔ یحییٰ سندیلوی

سانحۂ ارتحال

بروفات حسرت آیات حضرت مولانا صدیق احمد نور اللہ مرقدہ

اے جامع صفات بزرگان رفتگاں
اے رہروان صدق کے سالار کارواں
اے پیکر جمال وکمالاتِ قدسیاں
اے بارگاہِ قدس کے صدیق رازداں

تو منصہ شہود تھا اس خاکدان میں
رحلت کا تیری ذکر ہے سارے جہان میں

وہ درس گاہ آج ہے اک قلعہ دیں پناہ
وہ جس کی رفعتوں پہ ٹھہرتی نہیں نگاہ
جس کی تجلیوں پہ نچھاور ہیں مہرو ماہ
یہ اس خلوص ودردمحبت کی ہے گواہ

جو آج اس کے سائے میں خلد آشیانہ ہے
جوعارف یگانہ تھا قطب زمانہ ہے

ہر دم فروغِ دیں کا لیے درد بے کراں
پھرتا رہا جنونِ محبت کہاں کہاں
کاوش سے جس کی چشمۂ عرفاں ہوئے رواں
جس کو تھکا سکا نہ غمِ فکرِ کارواں

آسودۂ خاک آج وہ مرد جلیل ہے
جس کے قرینِ بالیں جوئے سلسبیل ہے

ناز آفریں ہے کتنی ہتورا کی سرزمیں
سویا ہے جس کی خاک میں وہ مردنازنیں
عالم خطیب ومجتہد ومصدر یقیں
دانائے حق مبلغ آیاتِ دل نشیں
سارے جہاں میں آج ہتورا کا نام ہے
یہ حضرت ِ صدیق کا فیضان عام ہے

دارالعلوم آج ہے بیجاں ترے بغیر
ہر بام ودر ہے خاک بداماں ترے بغیر
سونا پڑا ہے خانۂ مہماں ترے بغیر
پھیکا ہے رنگِ صحن گلستاں ترے بغیر
یوں تو چمن وہی ہے گلوں میں نکھار ہے
افسوس اب کہیں نہ وہ صورتِ ہزار ہے

وہ عرصۂ حیات پہ چھاکر چلے گئے
ہر دل میں ہر نظر میں سماکر چلے گئے
ہر درد مند دل کو رلاکر چلے گئے
ایسا سبق وہ سب کو پڑھا کر چلے گئے
وہ درس اہل دل سے بھلایا نہ جائے گا
وہ نقش لوحِ دل سے مٹایا نہ جائے گا

اے تاجدار تخت ولایت سلام لو
اے پاسبان رشد وہدایت سلام لو
اے مبتدائے علم وفراست سلام لو
اے منتہائے گنجِ صداقت سلام لو
اے آسمانِ صدق وصفاکے مہ تمام
حاضر ترے حضور ہے ثاقب پئے سلام

ثاقب باندوی

الہدیٰ انٹر کالج

الہدیٰ انٹر کالج شہر اُناؤ میں وہ واحد ادارہ ہے جو صرف ملک ملت کی ترقی کی خاطر قایم کیا گیا ہے۔ اس ادارہ کو الٰہ آباد بورڈ یوپی کی جانب سے درجہ بارہ تک کی منظوری بھی حاصل ہے۔ اور الحمد للہ آپ کا ادارہ ''الہدیٰ'' نرسری سے درجہ بارہ تک بصد حسنِ خوبی تعلیم دینے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے اور اسی بنا پر کامیابی کی راہوں پر گامزن ہے۔

اس ادارہ کو مزید ترقی اور کامیابی اسی وقت ممکن ہے کہ جب اس کے مخلصین و محبین کی تعداد میں مزید اضافہ ہو اور دعائیں کرنے والے اپنی دعاؤں میں مزید یاد رکھیں اور اپنا تعاون برابر جاری رکھیں۔

دعاء ہے کہ اللہ پاک اس ادارہ کو مزید ترقی عطا فرما کر ملک ملت کے لیۓ قبول فرمائے۔ آمین

(ادارہ)

PUBLISHED BY
AL HUDA EDUCATIONAL SOCIETY
SHAIKHWARA-UNNAO-PIN - 209 801
Fax :0515-2821317 e-mail : daud1408@gmail.com
Mob. : 9956604899, 9369431217, 9236542297, 9451379908